حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مُبارک کے یہود و نصاریٰ و مشرکین آپ کی اور آپ کے دین کی
حقانیت کے اضطراراً دل سے معتقد تھے اس کے بعد تاریخ و مشاہدہ بتلا رہا ہے کہ اُس وقت
سے اِس وقت تک برابر دوسری قومیں کثرت سے حقانیت کا اقرار کرتی چلی آئی ہیں چنانچہ اِس
کتاب میں ان شہادات کے جمع کرنے کی طرف توجہ کی گئی ہے الفضل ما شهدت به
الأعداء کے مُطابق اِس کتاب میں ان اقوام کے دانشوروں کے اقوال جمع کئے گئے ہیں۔
حقانیتِ
اسلام
تالیف
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ
۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ
۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء
مکتبۃ البشریٰ
شعبہ نشر و اشاعت
چوہدری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ رجسٹرڈ کراچی پاکستان

تالیف

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ
۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے یہود و نصاریٰ و مشرکین آپ کی اور آپ کے دین کی حقانیت کے اضطراراً دل سے معتقد تھے اس کے بعد تاریخ و مشاہدہ بتلا رہا ہے کہ اُس وقت سے اِس وقت تک برابر دوسری قومیں کثرت سے حقانیت کا اقرار کرتی چلی آئی ہیں چنانچہ اِس کتاب میں ان شہادات کے جمع کرنے کی طرف توجہ کی گئی ہے الفضل ماشهدت به الأعداء کے مطابق اِس کتاب میں ان اقوام کے دانشوروں کے اقوال جمع کئے گئے ہیں۔

فہرستِ مضامین

تمہید

رسالہ

شَهَادَةُ الْأَقْوَامِ عَلٰى صِدْقِ الْإِسْلَامِ

یعنی مصرعۂ مشہورہ

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ

کا ایک کھلا مصداق

الحمد و الصلاۃ، حق تعالیٰ نے اہلِ کتاب کے حق میں ارشاد فرمایا: ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ اور مشرکین کے حق میں فرمایا: ﴿اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝﴾ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کے عہدِ مبارک کے یہود ونصاریٰ ومشرکین آپ کی اور آپ کے دین کی حقانیّت کے اضطراراً دل سے معتقد تھے۔ اس کے بعد تاریخ ومشاہدہ بتلا رہا ہے کہ اُس وقت سے اس وقت تک برابر دوسری قومیں کثرت سے حقانیّت کا اقرار کرتی چلی آئی ہیں۔ چند روز سے ان شہادات کے جمع کرنے کی طرف توجہ ہوئی، گو بہ وجہ فقدانِ ذرائع مجھ کو اس کا کافی ذخیرہ نہیں مل سکا، لیکن اتنا بلا اہتمام جمع ہوگیا، اُس کی اشاعت کو جی چاہتا تھا، گو متفرق طور سے وقتاً فوقتاً کچھ کچھ شایع ہوتا رہا، مگر اجتماعاً اشاعت کا موقع نہیں ہوا۔ اب بعض احباب نے اس کی اشاعت کا قصد کر کے اس مجموعے کی درخواست کی۔ چناں چہ ان کے حوالے کرتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں کہ اگر ان کو کوئی مضمون اس قسم کا مل جاوے اُس کو اِس رسالے کا جزو بنادیں اور امتیاز کے لیے اُس کی ابتدا پر لفظ ''ضمیمہ'' اور انتہا پر لفظ ''تمت الضمیمہ'' لکھ دیا کریں۔ اور اس کا نام ''شَهَادَةُ الْأَقْوَامِ عَلٰى صِدْقِ الْإِسْلَامِ'' رکھتا ہوں۔ فالآن أقول و به أصول و أجول

کتبہٗ

شاہ محمد اشرف علی

اواخر ذیقعدہ، ۱۳۴۸ھ

اسلام کے واجبات اور فرائض حفظِ صحت

جرمنی کے مشہور علمی رسالہ ''دی ہایف'' میں نامور جرمن فاضل اور مستشرق علامہ جوا کیم دی یوسف نے اسلام کے واجبات اور فرائض حفظِ صحت پر ایک نہایت قابلِ قدر مضمون لکھا ہے جس کی نقل ذیل میں ہے:

وہ تحریر کرتا ہے کہ دینِ اسلام کے اُصول وعقائد وقواعد کو اگر بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی مانند ظاہر ہوجاتی ہے کہ موجودہ مسلمان ان کی پابندی سے کوسوں دور ہیں اور اگر مسلمانوں میں کوئی ایسی اولوالعزم روح پردۂ غیب سے شہود میں آئے جو ان کو از سرِ نو اسلام کے اصلی اور صحیح مرکز پر لے آئے تو اس میں کلام نہیں کہ ان کی قوت کا طرۂ افتخار آسمان تک جا پہنچے اور سیاسی اعتبار سے نہ سہی، اخلاقی، اجتماعی اور علمی پہلو سے وہ دنیا کی بساط پر ایک نہایت اہم مہرہ بن سکتے ہیں۔ مجھے اس وقت اسلام کی سیاسی اہمیّت سے سروکار نہیں، بلکہ میں صرف اس کے ایک خاص پہلو پر بحث کرنا چاہتا ہوں جس پر اس وقت تک شاید کسی یورپین نے غور نہیں کیا۔ یہ پہلو اُن احکام وقوانین سے تعلّق رکھتا ہے جو قرآنِ کریم نے حفظانِ صحت اور تندرستی کے متعلق اپنے ماننے والوں پر فرض کیے ہیں۔ میں نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین کی تمام کتبِ سماوی پر قرآن کو اس لحاظ سے خاص امتیاز حاصل ہے۔ اگر ہم شاندار مگر سادہ واجبات وفرائض حفظانِ صحت پر نظر کریں جو قرآنِ کریم میں مذکور ہوئے ہیں اور پھر اس امر پر غور کریں کہ ان کی پابندی کرنے والوں کو جنّت الفردوس کے مستحق قرار دینے میں اس کی کیا حکمت ہے، تو ہم پر یہ روشن ہوجائے گا کہ اگر یہ صحیفۂ آسمانی اور کلامِ ربّانی ساکنانِ ایشیا کو نہ ملتا تو ایشیا کا سادابا آفرین خطہ زمینِ یورپ کے حق میں اور بھی بلاخیز ہوگیا ہوتا۔ اسلام نے صفائی اور پاکیزگی اور پاک بازی کی صاف وصریح ہدایات کو نافذ کر کے جرائمِ ہلاکت کو مہلک صدمہ پہنچادیا ہے۔

غسل اور وضو کے واجبات نہایت دوراندیشی اور مصلحت پر مبنی ہیں۔ غسل میں تمام جسم اور وضو میں اُن اعضا کا پاک صاف کرنا ضروری ہے جو عام کاروبار یا چلنے پھرنے میں کھلے

رہتے ہیں۔ منہ کو صاف کرنا اور دانتوں کو مسواک کرنا، ناک کے اندرونی گردوغبار وغیرہ کو دور کرنا، یہ تمام حفظِ صحت کے لوازم ہیں اور ان واجبات کی بڑی شرط آبِ رواں کا استعمال ہے، جو فی الواقع جراثیم کے وجود سے پاک ہوتا ہے۔ حضرت محمد (ﷺ) نے لحمِ خنزیر میں اور بعضے ممنوع جانوروں کے اندر امراضِ ہیضہ، وٹان، فالین، بخار وغیرہ کا خطرہ دریافت کرلیا تھا۔ حیوانات کے ذبح کرنے کا جو طریقہ شارعِ اسلام نے تلقین کیا ہے وہ بہت ضروری اور اہم ہے۔ گرمی اور حدّت جانوروں کے خون میں موادِ فاسد پیدا کرتی ہے، ہزارہا ایسی بیماریوں کا باعث ہوتی ہے جو نسلِ انسانی کے لیے سمِ قاتل کا حکم رکھتی ہے، ایسے بیمار جانوروں کے جراثیم پیدا کردیتا ہے، اس لیے ذبح کرنے کے عمل میں جانور کے خون کا کثرت سے خارج ہونا لازمی ہے۔ غسل اور وضو سے جو صفائی اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور حفظِ صحت کی ان دو شرطوں کے بعد تیسری اہم اور قابلِ قدر شرط ورزش جسمانی کی ہے۔ یہ شرط نہایت آسانی کے ساتھ ادائے نماز سے پوری ہوتی ہے۔

نماز میں قیام و رکوع وقعود وسجود کی حرکات اعلیٰ حکمتِ عملی اور تدبیر پر مبنی ہیں۔ اگر اہلِ یورپ میں اسلامی نماز کا رواج ہوتا تو ہمیں جسمانی ورزش کے لیے نئی نئی ورزشی حرکتیں ایجاد نہ کرنا پڑتیں۔ ایشیا کے گرم ملک میں انسانی جسم کے اندر چربی زیادہ پیدا ہوتی ہے اور سجدے میں دونوں ہاتھ اور دیگر اعضا ایک خاص کشش کے ساتھ پھیلانا اور سمیٹنا نامناسب فربہی کی مضرتوں کو دور کردیتا ہے۔ اسلام میں تعددِ ازواج کی اجازت قوم کی کمی، نسل کی ناقابلِ تلافی نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک بے نظیر اُصول ہے، جس کی ہمیں تہ دل سے قدر کرنی چاہیے۔ یہ ایک ایسا اُصول ہے کہ اگر بہ وقتِ ضرورت اس کی پیروی کی جائے تو اس سے توالد و تناسل میں خلل انداز ہونے والے امراض پیدا نہیں ہونے پاتے۔ آپ ایشیا میں عمر رسیدہ دوشیزہ لڑکیاں بہت کم پائیں گے، جو زیادہ عمر تک شادی نہ ہونے کے سبب ہسٹریا کی تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہوں۔ منشیات و مسکرات کو حرام قرار دینا اسلام کا اتنا بڑا احسان ہے کہ جس کے بارِ گراں سے انسان کبھی سبک دوش نہیں ہوسکتا اور ہم مدعیانِ تہذیب و تمدن یعنی اقوامِ یورپ کو اس بارے میں مسلمانوں پر حسد کرنا لازم ہے۔ حیاتِ مستعار کو ایک بے حقیقت شے سمجھنا اور

جان کی مطلق پروانہ کرنا جس کے ساتھ ایک قادرِ مطلق ہستی کا پختہ اعتقاد بھی شامل ہے اور مزید برآں حفظِ صحت کے قدرتی وفطرتی اُصول وقوانین جن میں انسانی فکر وتدبر کو کچھ بھی دخل نہ ہو، یہ تمام باتیں جسمِ انسانی کی تمام طاقتوں اور قوتوں کو مدتِ دراز تک صحیح وسالم ومضبوط و مستحکم رکھنے کے لیے نہایت مؤثر اور یقینی وسائل ہیں۔ بااین ہمہ اگر ایشیا بعض خصائص میں ہم پر بہ مراتب فوقیت رکھنے کے باوجود اکثر امور میں ہم اہلِ یورپ سے بہت پس ماندہ ہے تو اس کے خاص وجوہ ہیں۔ من جملہ ان کے ایک امر مختلف قوموں کا باہمی اختلاط بھی ہے، جن میں سے اکثر کو اسلام کے ساتھ موہوم سا تعلق ہے۔ اور ایک قصہ یہ بھی ہے کہ خالص عربی النسل مسلمانوں کی سوسائٹی میں دوسرے قوموں کی عورتوں کا عقدِ نکاح کے ذریعے سے داخل ہو جانا ان کی ہمتِ اجتماعیہ کے فساد کا موجب ہوا ہے اور یہ قانونِ قدرت ہے کہ کامل چیز وہی ہے جو خالص بھی ہو۔

بہرحال اسلامی تعلیمات کی یہ بڑی فضیلت اور منزلت اظہر من الشّمس ہے۔ بالخصوص اختلاطِ اجناس واقوام کے لحاظ سے اُس کے دل میں قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں نے اسلام کی پیروی ترک کردی ہے، تعلیماتِ قرآنی کی جانب سے روگرداں ہوگئے ہیں، سچّا اسلام عملی صورت میں آج کل کہیں بھی موجود نہیں ہے اور اس کی بگڑی ہوئی ہیئت نے اپنے پیروؤں کو تنزل اور ضلالت و جہالت کے عمیق غار میں دھکیل دیا ہے تو آخر ان کا انجام کیا ہوگا؟ ہمارے نزدیک اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی ہونا چاہیے کہ اگر اسلام نہ ہوتا تو ان قوموں کا جواب مسلمان کہلاتی ہیں، کیا حشر ہوسکتا تھا؟ اور ان ہی قوموں پر کیا منحصر ہے، ہمیں خود اپنی نسبت یہ سوال کرنا چاہیے کہ اگر اسلامی تہذیب دنیا میں جلوہ فگن نہ ہوتی تو ہماری کیا کیفیت ہوتی؟ آئیں احسان مندی کی رُو سے ہم پر واجب ہے کہ عربی علوم وفنون نے ہمارے علوم وفنون پر جو حیرت انگیز اثر ڈالا ہے اس کو فراموش نہ کریں، اگر عربوں نے فلسفۂ ارسطو کا اپنی زبان سے ترجمہ نہ کیا ہوتا اور پھر عربوں کی معرکۃ الآراء تالیفات وتصانیف لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر ہم تک نہ آئی ہوتیں تو ہمیں اس فلسفے کی اصل یونانی کتب کے حصول سے بہت مدت پیشتر ہی اس کا علم کیوں کر ہوسکتا؟ چند سو سال قبل ہی کا زمانہ لیجیے، یورپ کے تشنگانِ علوم

کا چشمہ شیریں اندلس کے عربی اسلامی دارالعلوم تھے۔ اور سچ پوچھو تو آج بھی جب کہ اسلام روبہ تنزل ہے، ہم اسلام کے سیاسی علوم سے بہت کچھ اخذ کر سکتے ہیں۔ فقط[۱]

پیغمبر اسلام سے ایک جرمن ڈاکٹر کی عقیدت

جرمن کے مشہور ڈاکٹر کوخ نے ایک مضمون اخبار ''نصیحت'' میں لکھا تھا جس کا اقتباس ہم یہاں نقل کرتے ہیں تا کہ یہ ظاہر ہو کہ حدیث شریف کی جو تعلیم ہے وہ ایسی معقول ہے کہ ہر ایک سلیم الفطرت انسان خواہ وہ کسی مذہب وملّت کا ہو، اس کو قبول کرے گا۔

ڈاکٹر مذکور لکھتا ہے کہ جس وقت سے مجھ کو نوشادر کا داء الکلب کے لیے تیر بہ ہدف علاج ہونا دریافت ہو گیا ہے اس وقت سے میں عظیم الشان نبی (یعنی محمد ﷺ) کی خاص طور پر قدر و منزلت کرتا ہوں۔ اس انکشاف کی راہ میں مجھ کو ان ہی کے مبارک قول کی شمعِ نور نے روشنی دکھائی، میں نے ان کی وہ حدیث پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس برتن میں کتا منہ ڈالے اس کو سات بار دھو ڈالو، چھ مرتبہ پانی سے اور ایک مرتبہ مٹی سے۔ یہ حدیث دیکھ کر مجھے خیال آیا ''محمد ﷺ جیسے عظیم الشان پیغمبر کی شان میں فضول گوئی نہیں ہو سکتی۔ ضرور اس میں کوئی مفید راز ہے''۔ اور میں نے مٹی کے عنصروں کی کیمیائی تحلیل کر کے ہر ایک عنصر کا داء الکلب میں الگ استعمال شروع کیا، اخیر میں نوشادر کے تجربے کی نوبت آتے ہی مجھ پر منکشف ہو گیا کہ اس مرض کا یہی علاج ہے۔ آں حضرت ﷺ نے مٹی سے برتن کو دھونے کی رغبت کیوں دلائی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ نوشادر ہمیشہ مٹی میں موجود رہتا ہے اور اگر آپ نے محض نوشادر ہی سے برتن دھونے کی ہدایت فرمائی ہوتی تو بسا اوقات اس کا ملنا غیر ممکن ہوتا، اس لیے مٹی جو ہر وقت اور ہر جگہ پائی جاتی ہے، برتنوں کی صفائی کے لیے بہترین ذریعۂ صفائی تھی۔

اور اسی طرح آں حضرت ﷺ کی حدیث: اَلْحُمّٰی مِنْ فَیْحِ جَهَنَّمَ فَاَطْفِئُوْهَا بِالْمَاءِ پر اطبا ہنسا کرتے تھے، حالاں کہ آپ کی غرض ارشاد سے یہ تھی کہ صفراوی بخار کا علاج آبِ سرد سے کرو۔ چناں چہ اب تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ بخار کا علاج صرف ٹھنڈا پانی

[۱] منقول از اخبار ''وکیل''۔ ۱۸ر جون ۱۹۱۳ء

ہی نہیں ہے بلکہ برف بہ آب ہے۔ غرض یہ کہ آں حضرت ﷺ کی بہت سی حدیثیں فنِ طب کی جان اور اصل الاصول ہیں اور تحقیق و تفتیش ان کی صداقتِ کاملہ کا اظہار کرتی ہے۔ میں اس پیغمبر کا ادب و احترام کرتا اور کہتا ہوں کہ ابتدائے آفرینشِ آدم سے اب تک کوئی طبیب و حکیم دُنیا میں آپ کا ہم پلہ پیدا نہیں ہوا۔[1]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ.

قرآن تمام آسمانی کتابوں میں بہترین کتاب ہے

ڈاکٹر موریس نے جو فرانس کے نامور اہلِ قلم مستشرق اور ماہر علومِ عربیہ ہیں اور جنھوں نے گورنمنٹ فرانس کے حکم سے قرآنِ کریم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا، اپنے ایک مضمون میں جو ''لا بار دل فرانس رومان'' میں شایع ہوا تھا، ایک اور فرانسیسی مترجم قرآن موسیو سالمان ریناش کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے: قرآن کیا ہے؟ قرآن اگر کوئی ایسی منقبت ہوسکتی ہے جس میں کسی طرح کا نقص نہ نکل سکتا ہو تو وہ اس کی فصاحت و بلاغت ہے، وہ عظیم الشان فضیلت جس پر تیس کروڑ (چالیس کروڑ مؤلف) انسان فخر کررہے ہیں وہ یہی ہے کہ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے، بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لیے جو کتابیں تیار کی ہیں ان سب میں یہ بہترین کتاب ہے۔ اس کے نغمے انسان کی خیر و فلاح کے متعلق فلاسفۂ یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں۔ اس میں آسمان و زمین کے بنانے والے کی حمد و ثنا بھری ہے۔ خدا کی عظمت سے اس کا حرف حرف لبریز ہے۔ جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں اور ہر ایک چیز کی اس کی استعداد کے مطابق راہ نمائی کی ہے۔[2] (پیامِ امین)

❁ مسٹر آرنلڈ وہائٹ نے اسلامک ریویو ماہ مئی ۱۹۱۶ء ص: ۲۲۶ میں لکھا ہے: ''وہ اسباق جو ہم عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید سے یہودیوں کے توسط سے سیکھتے ہیں، نصف یورپ ایک یہودی جناب بنی نوع انسان کے ساتھ انسانیت سے پیش آنا اور تمام لوگوں کے خیالات کا

[1] منقول از اخبار مدینہ بجنور ۹ر مارچ ۱۹۱۷ء نمبر ۱۹ ج ۶　[2] منقول از اخبار وحدت ۲ر فروری ۱۹۲۵ء نمبر ۲۱ ج ۲

احترام کرنا سکھاتے ہیں، لیکن قرآن نے جس کو ایک ساربان کے فرزند نے لکھا، مسلمانوں کو نہ صرف زبردست جنگ آرائی سکھائی، بلکہ پرائیویٹ زندگی میں ہمدردی، خیرات، فیاضی، شجاعت اور مسلمان نوازی کا سبق پڑھایا''۔[1]

❁ بابا نانک نے لکھا ہے: ''توریت، زبور، انجیل، ترے پڑھ، قرآن کتاب کل جگ میں پروار۔ (جنم ساکھی کلاں، ص: ۱۴۷) (توریت، زبور، انجیل اور وید وغیرہ تمام پڑھ کر دیکھ لیے، قرآن شریف ہی قابلِ قبول اور اطمینانِ قلب کی کتاب نظر آئی)۔ رہی کتاب ایمان دی پیچ کتابِ قرآن (اگر سچ پوچھو، تو سچی اور ایمان کی کتاب جس کی ملاقات سے دل باغ باغ ہوجاتا ہے، قرآن شریف ہی ہے)''۔[2]

❁ پروفیسر اڈورڈ جی براؤن ایم۔ اے، ایم۔ بی نے اپنی تالیفات ''دوائے لٹریری ہسٹری آف پرشیا'' (تاریخ ادبیاتِ ایران) میں ژنداوستا اور قرآن کا مقابلہ کرتے ہوئے ص:۱۰۳ میں لکھا ہے: ''میں جوں جوں قرآن پر غور کرتا اور اس کے مفہوم ومعانی کے سمجھنے میں کوشش کرتا میرے دل میں اس کی قدر ومنزلت زیادہ ہوتی جاتی ہے، لیکن ژنداوستا کا مطالعہ بجز ایسی حالتوں کے کہ اس کو علم الاوثان یا تحقیقِ لسانی یا اسی قسم کے دیگر اغراض کے لیے پڑھا جائے، طبیعت میں تکان پیدا کرتا اور بارِ خاطر ہوجاتا ہے''۔[3]

❁ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی جلد ۱۶ صفحہ ۵۹۹ میں لکھا ہے: ''قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں۔ بہت سی آیات دینی و اخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں۔ مظاہرِ قدرت، تاریخ، الہاماتِ انبیا کے ذریعے اس میں خدا کی عظمت، مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے۔ بالخصوص حضرت محمد (ﷺ) کے واسطے سے خدا کو واحد اور قادرِ مطلق ظاہر کیا گیا ہے۔ بت پرستی اور مخلوقات کی پرستش کو (جیسا کہ جناب مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھ کر پوجا جاتا ہے) بلا لحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے''۔[4]

❁ ڈاکٹر کینن آئزک لیٹر نے ۱۸۷۷ء میں بحیثیت صدر نشین کلیسائے انگلستان ایک تقریر

---

[1]، [2]، [3]، [4] منقول از اخبار ''وحدت''۔ ۸ر فروری ۱۹۲۵ء نمبر:۲۶، ج:۲

کی تھی جو اسی زمانے میں لنڈن ٹائمز میں شایع ہوئی تھی، اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے، جو تمدن کا جھنڈا اڑاتا ہے۔ جو تعلیم دیتا ہے کہ انسان جو نہ جانتا ہو اس کو سیکھے۔ جو بتاتا ہے کہ صاف کپڑے پہنو، صفائی سے رہو۔ جو حکم دیتا ہے کہ استقلال واستقامت لازمی فرض ہے۔ بے شبہ دینِ اسلام کے تمام اُصول ارفع ہیں اور اس کی خصوصیات شائستگی اور تمدن سکھلاتی ہے۔[۱]

❁ ''ہربرٹ لکچرز'' میں یہ فقرات موجود ہیں: ''اسلامی قانون قابلِ تعریف اصول پر مشتمل ہے اور زیادہ قابلِ تعریف امر یہ ہے کہ اسے ان اصول کی تعلیم وانجام دہی کی زبردست حمائل میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ شریعتِ اسلام نہایت اعلیٰ درجے کی عقلی احکام کا مجموعہ ہے، جن فضائل واعمال کی اس میں ہدایت کی گئی ہے وہ ایسے برگزیدہ اور شائستہ ہیں کہ کسی مشہور مسیحی قسیس کی ہدایتیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں''۔[۲]

❁ مسٹر وڈول جس نے قرآن شریف کا ترجمہ شایع کیا، لکھتا ہے: ''جتنا بھی ہم اس کتاب (قرآن) کو اُلٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعے میں اس کی نامرغوبی نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، لیکن فوراً ہمیں مسخر کرلیتی، متحیّر بنادیتی اور آخر میں ہم سے تعظیم کراکر چھوڑتی ہے۔ اس کا طرزِ بیان بہ اعتبار اس کے مضامین و اغراض کے عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بہ جا اس کے مضامین سخن کی غایتِ رفعت تک پہنچ جاتے ہیں۔ غرض یہ کتاب ہر زمانے میں اپنا پُر زور اثر دکھاتی رہے گی''۔[۳]

قرآن کی کرنیں مغرب پر

کلامِ الٰہی کا اِک یہ بھی نادر معجزہ ہے کہ سخت متعصب مخالفین اور نکتہ چیں عیسائیوں سے اپنا لوہا منوالیا۔ اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ ''یعنی جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے''۔ عنوانِ بالا پر مولانا عبداللہ صاحب نے نہایت تن دہی سے ایک ضخیم رسالہ ''پیامِ امین'' مرتب فرمایا ہے۔ اسی میں ملخصاً ناظرین ''العدل'' کی دلچسپی کے لیے چند نامور مستشرقین کی صائب آراء جو قرآن کے متعلق ہیں، پیش کی جاتی ہیں:

[۱]، [۲]، [۳] منقول از اخبار ''وحدت''۔ ۸؍فروری ۱۹۲۵ء نمبر: ۲۶، ج: ۲

❁ کونٹ ہنری وی کاسٹری اپنی کتاب ''الاسلام'' میں جو کونٹ موصوف نے فرنچ میں لکھی تھی، جس کا ترجمہ مصر کے مشہور مصنّف احمد فتحی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں شایع کیا تھا، کہتے ہیں: ''قرآن کی وحی کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے، کیوں کہ اربابِ بحث اس کو مفصّل طور پر حل نہیں کرتے، عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کی زبان سے کیوں کر ادا ہوا جو بالکل اُمی تھا۔ تمام مشرق نے اقرار کیا ہے کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوعِ انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشا پردازی نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مطمئن کر دیا۔ ان کو خدا کا معترف ہونا پڑا۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب یحییٰ (علیہ السلام) کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب نے نجاشی بادشاہ کے سامنے پڑھے ہیں تو اُس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے اور پشپ چلّا اُٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے اور وہ اس وقت سے تا ایں دم ایک ایسا مہتم بالشان راز چلا آتا ہے جس کے طلسم کو توڑنا انسانی طاقت سے باہر ہے''۔

❁ انگلستان کے نامور مؤرّخ ڈاکٹر گبن اپنی مشہور تصنیف ''سلطنتِ روما کا انحطاط وزوال'' کی جلد ۵ باب ۵۰ میں لکھتے ہیں: ''قرآن کی نسبت بحرِ اطلانتک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی رُوح ہے، قانونِ اساسی ہے اور صرف اُصولِ مذہب ہی کے لیے نہیں، بلکہ احکامِ تعزیرات کے لیے اور ان قوانین کے لیے بھی ہے جن پر نظام کا مدار ہے۔ جن سے نوعِ انسان کی زندگی وابستہ ہے، جن کو حیاتِ انسانی کی ترتیب و تنسیق سے گہرا تعلّق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت سب پر حاوی ہے۔ وہ اپنے تمام احکام میں بڑے بڑے شہنشاہ سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے فقیر و گداگر تک کے لیے مسائل و مبانی رکھتی ہے۔ یہ وہ شریعت ہے اور ایسے دانشمندانہ اُصول اور اس قسم کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی''۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ''تثلیث اور خدا کے مجسّم ہونے کے رموز و اسرار، وحدۃ الوجود

کے عقیدے اور اُصول کی نفی اور تکذیب کرتے ہیں۔ ان رموز و اسرار سے صاف ظاہر ہے کہ دو تین ہم رتبہ خداؤں کی تعلیم دیتے ہیں اور حضرت مسیح (علیہ السلام) کو جو ایک انسان ہیں، خدا کا بیٹا ظاہر کرتے ہیں۔ قدیم زمانے کی تفسیر صرف ان پختہ عقیدے کے عیسائی کو مطمئن کر سکتی ہے، لیکن (حضرت) محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایمان و عقیدہ ہر قسم کی پیچیدگی اور ابہام وغیرہ سے بالکل پاک وصاف ہے۔ اور قرآن (مجید) خدا کی وحدانیّت کی ایک زبردست شہادت ہے"۔

آگے چل کر رقم فرماتے ہیں: "قرآن وحدانیتِ خدا کا ایک شاہدِ عظیم ہے۔ ایک فلسفی موحد بے تکلف مذہبِ اسلام میں شریک ہوسکتا ہے۔ وہ ایک مذہب ہے جو ہم لوگوں کی موجودہ سمجھ کے لیے بہت عالی ہے"۔

❁ جان جاک ریملک مشہور جرمن فلاسفر جس نے "مقاماتِ حریری" اور "تاریخ ابوالفدا" اور "معلقہ طرفہ" وغیرہ وغیرہ تصنیفات کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا تھا، لکھتا ہے: "بعض لوگ ایسے دیکھے گئے ہیں کہ جہاں انھیں عربی میں کچھ شُد بُد ہونے لگی قرآنِ مجید کی ہنسی اُڑانے لگے۔ اگر خوش نصیبی سے کہیں انھیں وہ موقع ہاتھ لگتا ہے کہ آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی فصیح اور مؤثر لہجے میں قرآن کی کوئی سورت پڑھ رہے ہیں، دلوں پر بجلیاں گر رہی ہیں، اور جب کسی آیت کے متعلق یہ احتمال ہوتا ہے کہ سامعین اس کے حقیقی مفہوم تک نہ پہنچ سکیں گے تو آپ نے اس کو بیان سے اس طرح فرمایا، تو وہ آیت سنتے ہی حضور سے سجدے میں گر پڑتا اور سب کے وہی آواز ان کے منہ سے نکلتی کہ ہمارے نبی! پیارے رسول! علیك الصلاة و التسليم ، ہاتھ بڑھائیے اور مجھے اپنے پردوں میں شامل کرنے میں دیر نہ فرمائیے"۔ (مولوی اظہار الحق بسمل عباسی امروہی)[1]

اسلام میں روحانیت

حق کو باطل سے الگ یوں عقلا کرتے ہیں
جس طرح پھول کو کانٹوں سے جدا کرتے ہیں

۱۵ر نومبر ۱۹۲۳ء کو پنڈت اندر ناتھ صاحب نے آریہ سبھا میں بیان کیا کہ عیسوی اور

---

[1] منقول از اخبار "العدل" گوجرانوالہ۔ ۷ر جنوری ۱۹۲۷ء

مذہبِ اسلام ایک عمارت کے مانند ہیں، جو کبھی نہ کبھی مسمار ہو کر رہے گی اور آریہ مذہب گنگا جمنا کی طرح ہے، جو کبھی برباد نہیں ہو سکتا۔ میں پہلے یہ دیکھوں گا کہ دنیا کے تمام مذاہب کی کتابیں اور اُن کے عالم اسلام اور بانیٔ اسلام کے بارے میں کیا لکھتے ہیں۔

سائنس کی نیرنگیاں، اجرامِ فلکی کا انکشاف، کالبد انسانی کا علم اور طرح طرح کی کلوں کی ایجاد، یہ سب باتیں مادی قوت سے تعلّق رکھنے والی ہیں۔ اور روحانیّت مادیّت سے افضل ترین ہے۔ جب کبھی رُوحانیت معجزہ اور کرامت کے رنگ میں چمکی تو فلسفی حکیم اور فاضل ششدر و حیران رہ گئے، اور ان کی عقلیں اس گتھی کو سلجھانے میں ناکامیاب رہیں۔ انھیں حاملانِ قوت رُوحانی کے گلے کی آواز پر وحوش وطیور اور پانی نے اپنی روانی چھوڑ دی، ہاتھوں میں عصا نے اژدہائے مہیب کی صورت اختیار کی، قم باذن اللّٰہ کہنے پر مُردے جی اُٹھے، انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے اور کنکروں اور پتھروں نے بات چیت کی۔ یہ اسی قوت کا ادنیٰ کرشمہ تھا جس نے ظالموں کو رحم اور بخیلوں کو کرم کا سبق دیا۔ وحشیوں کو تاج دار بنایا۔ اور حکما فلاسفروں اور تاریک دل رکھنے والوں کو مادیّت سے علیحدہ کر کے روشنی دکھائی۔ اور اس روحانی گروہ کا سردار وہ ہے جس کو خلقُ اللہ محمد (ﷺ) اور احمد (ﷺ) کے نام سے پکارتی ہے۔ چناں چہ اسی مبارک ہستی کی صفت زبور، باب: ۴۵ میں بایں الفاظ موجود ہے:

”تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔ بادشاہ کی بیٹیاں تیری عزت والیوں میں ہیں۔ میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا۔ بس سارے لوگ تیری ستایش ابد الآباد تک کریں گے“۔

❁ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی کتاب ”غزل الغزلات“، باب: ۱۵ میں اسی برگزیدہ ہستی کا سراپا بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”میرا محبوب گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے۔ اس کا سر ہیرے کا سا چمکدار ہے۔ اس کی زلفیں مثل کوّے کے کالی ہیں“۔

اور پھر فرماتے ہیں: ”قدہٖ کالسبانون (اُس کا قد سرو سا یا حور کا رازیم) (اور چہرہ چودھویں کے چاند جیسا ہے) وکلّو محمدیم (اور وہ بعینہٖ محمد ﷺ ہیں)“۔

❀ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے:

''اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں اُن کے لیے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُس سے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا''۔

اور پھر فرماتے ہیں: ''وہ فاران کی چوٹی سے جلوہ گر ہوگا''۔ (فاران مکّہ معظّمہ کو کہتے ہیں) دیکھو: بابِ استثناء، باب: ۱۸، ۳۳۔

❀ حضرت مسیح انجیل یوحنا، باب: ۱۶ آیت: ۵ لغایت: ۱۵ میں فرماتے ہیں:

''لیکن اب میں اس پاس جس نے مجھے بھیجا، جاتا ہوں، لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمھارے لیے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے، کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلّی دینے والا تم پاس نہ آئے گا۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں، پر اب تم اس کی برداشت نہیں کرسکتی، لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گی تو وہ تمھیں ساری سچائی کی باتیں بتادے گی۔ اس لیے کہ وہ اپنی نہ کہے گی، جو کچھ وہ سنے گی وہی کہے گی اور تمھیں آیندہ کی خبر دے گی۔ اس کے بعد میں تم سے کلام نہ کروں گا۔ اس لیے زجہاں کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اُس کی کوئی چیز نہیں''۔

اب میں اہلِ ہنود کی کتابوں پر نظر ڈالوں گا۔[1]

❀ پوتھی راما سنگ بارھویں اسگند چھٹے کانڈ جس کے حاشیہ پر گوشائیں تُلسن داس کا زبان بھاکا میں ترجمہ موجود ہے۔ چوپائی ۳ و ۴ و ۵ و ۶: ''عرب کی سرزمین کہ ستارے کی طرح اچھی ہے اور اس ستارے کا مقام مغربی ملک سے جو بہت ہی عمدہ اور شاندار ہے سنوائے کوگ رائے!''

اور آپ کے ظہور کی باتیں (معجزات) ظاہر ہوں گی اور یہاں اُن کا ولی قائم کیا جائے گا۔ ''بکرمی سمیت سے ساتویں صدی میں وہ اس طرح پیدا ہوگا جس طرح اندھیری رات میں چاند''۔ وہ بادشاہی قاعدے سے ڈرائے گا۔ محبّت و خُلق دکھائے گا۔ اور اپنا دین سب کو سمجھائے گا۔ چوپائی ۱۹، ۱۵ و ۱۶ و ۱۷: ''اس کا دین جاری رہنے تک جو کوئی خدا تک پہنچنا چاہے تو بے وسیلے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نہ پہنچے گا''۔

---

[1] ماخوذ از بشارتِ احمدی و ثمرۃ المکاشفہ

مضمونِ چوپائی یہ ہے:

تب لگ مندرم چھپے کوئے بنا محمد ﷺ پار نہ ہوئے

خدا کی محبت میں منکر لوگ نجات پائیں گے۔

وید بھی کہتا ہے:

پھر ایک مردِ کامل ظاہر ہوگا، جس کو سب مہدی کہیں گے۔ چوپائی حسبِ ذیل ہے:

تب ہوئے نہک نہک اوتارا مہدی کہیں سکل سنسارا

اس کے بعد پھر ولایت نہ ہوگی، تلسی داس سچ کہتے ہیں۔ کلنکی پُراں، کلنکی اوتار کی پیدائش کا مقام شنبھل نگری ہے۔ شنبھل ایک قسم کی روئی ہے جو بڑے بڑے درختوں سے نکلتی ہے اور عرب میں یہ روئی بہ کثرت ہوتی ہے۔ وہ برش رام سے تعلیم پائیں گے۔ برش بمعنی روح، رام بمعنی خدا۔ یعنی خدا کی روح۔ یہی معنی روح القدس کے ہیں۔ جس نے غارِ حرا میں حضرت ﷺ کو تعلیم دی۔ باپ کا نام دشنو یس لکھا ہے۔ ''دشنو'' بمعنی خدا، ''یس'' بمعنی غلام، یعنی خدا کا غلام۔ یہی نام آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا ہے، یعنی عبد بمعنی غلام یا بندہ۔ اللہ بمعنی خدا، خدا کا بندہ۔ ماں کا نام سومتی لکھا ہے۔ سومتی بمعنی معتمدہ۔ یہی نام آپ کی والدہ ماجدہ کا ہے۔ یعنی امان والی یا معتمدہ۔

علاوہ بریں بہادر اسکنت سمرت وسما اسکنت (۳۸ سمرتیوں میں ایک سمرتی ہے) میں کلسکی اوتار کی جائے پیدائش کا پتا یہ لکھا ہے کہ ان میں دست لانے والی پتی پیدا ہوتی ہے، سناء جو سنائے مکّی کے نام سے مشہور ہے۔

دیگر مذاہب کے عالموں کا خیال: ڈاکٹر گستاولی بان کی تحریر: ''اسلام کے اصلی اعتقادات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام گویا ایک قسم کا عیسائی مذہب ہے جس میں سے مشکل باتیں اور پیچیدگیاں نکال ڈالی گئی ہیں۔ البتہ فروعات اور اصول کا فرق ہے، یعنی اسلام میں خالص وحدانیت خدائے تعالیٰ کی موجود ہے اور وہ واحدِ مطلق سب سے برتر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے گرد نہ ملائکہ ہیں نہ اولیا اور نہ ایسے لوگ جو واجب التعظیم ہیں۔ یہ خالص وحدانیت آسانی

سے سمجھ میں آجاتی ہے، کیوں کہ اس میں کوئی بھید اور معما نہیں ہے، نہ ان میں متضاد باتوں کے ماننے کی ضرورت ہے جو دوسرے مذہبوں میں واقع ہے، جن کو عقلِ سلیم قبول نہیں کرتی۔ مذہبِ اسلام وہ مذہب ہے جس کے اعتقادات مسائلِ علومِ طبعی کے بالکل مطابق ہیں۔

فرانس کے مشہور عالم ایم ڈی سینٹ ہیلر نے لکھا ہے کہ اسلام نے کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی۔ کوئی مذہبی عدالت خلاف مذہب والوں کو سزا دینے کے لیے قائم نہیں کی اور کبھی اسلام نے لوگوں کے مذہب کو جبراً تبدیل کرنے کا قصد نہیں کیا"۔

لندن کے کواٹرلی ریویو نمبر ۲۵۴ بابت اکتوبر ۱۸۶۸ء کے اندر ایک آرٹیکل میں جس کا عنوان "الاسلام" ہے، لکھا ہے: "یورپ کے بڑے بڑے محققین نے تمام جہان پر یہ بات ثابت کی ہے کہ اسلام ایک زندگی بخشنے والی چیز ہے۔ ہزاروں فائدہ مند جواہروں سے بھرا ہے۔ اور یہ کہ محمد ﷺ نے مروّت کی سنہری کتاب میں اپنے لیے جگہ کرلی ہے"۔

پنجاب کے مشہور منصف مزاج ہندو مصنّف شرو ہے پرکاش دیو جی نے اپنی کتاب میں جہاں اس واقعے کا ذکر کیا ہے کہ آں حضرت نے زید پر رحم فرما کر جو بہ طور غلام آپ کی نذر کیا گیا تھا، آزاد کیا، وہاں لکھتے ہیں: "محمد (ﷺ) صاحب نے ہمدردی بنی نوعِ انسان کا ایک ایک پورا نمونہ صرف اپنے اہلِ وطن کو بلکہ کل دنیا کو دکھایا"۔[1]

اب میں دیکھتا ہوں کہ دیگر مذاہب کا آریہ اور وید کی نسبت کیا خیال ہے۔ خود مہاشے دیانند سرستی نے اپنی کتاب "ستھیارتھ پرکاش" میں جا بجا وید، سمرتی اور پرانوں کے اشلوک اور قواعد کو غلط مانا ہے اور لکھا ہے کہ یہ دام مارگیوں کی کارستانی ہے اور پرہتوں کو بُرے الفاظ سے یاد کیا ہے اور لطف یہ کہ ان ہی کتابوں کی بعض باتوں کو تسلیم بھی کرتے ہیں، اُس میں بہت سے عیسائیوں اور ہندوؤں کے اعتراضات بھی موجود ہیں، شاید ہی ان کا جواب بھی دے سکے ہوں۔ پھر کس مزے سے صفحہ ۴ کے ۲۳ ویں سطر میں فرماتے ہیں کہ "اگر بھول چوک میں غلطی رہ گئی ہو تو صحیح کردیں گے، مگر اعتراض وتردید وتائید پر توجہ نہ کی جائے گی، ہاں! انسانی ہمدردی سے کوئی بات بتائی جائے گی تو رائے منظور کی جائے گی"۔ مذکورہ بالا تحریر ظاہر کرتی ہے کہ یہ

[1] سوانحِ عمری حضرت محمد (ﷺ) صاحب صفحہ: ۲۷

معترضین کی تشفّی بھی نہ کر سکے ہوں گے، کیوں کہ توجہ نہ کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔

مولانا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دھرم پال اس اشلوک کا ترجمہ سوامی دیانند کی تحریر کے مطابق فارسی میں لکھتے ہیں واچم شندھالی:[1]

''بیاید کہ زبانِ شمارا پاک بکنم۔ پرانِ شمارا پاک بکنم۔ گوشِ شمارا پاک بکنم۔ نافِ شمارا پاک بکنم۔ شمارا پاک بکنم۔ کونِ شمارا پاک بکنم۔ افعالِ شمارا پاک بکنم''۔

اس اشلوک کو سوامی دیانند فرماتے ہیں کہ یہ منتر گرو یا گرو کی عورت کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے کہے۔ اسی طرح بہت سی باتیں ہیں، مگر تہذیب مانع ہے کہ نہ لکھی جائیں۔ پارسیوں کی کتاب ''دساتیر'' میں بہت سی آیتیں ایسی موجود ہیں جو لفظ بہ لفظ وید کے منتروں سے ملتی ہیں اور جن کا مقابلہ مولانا خلیل احمد صاحب (المعروف بہ) داس چترویدی نے اپنی کتاب ''ویدوں کا ماخذ'' کے صفحہ: ۱۱ الغایت: ۱۶ میں کیا ہے، مگر میں پارسیوں کی کتاب نامہ ''وخشو زرتشت'' مطبوعہ ایران کے صفحہ: ۱۲۶ سے صفحہ: ۱۵۸ تک کی تحریر کو لکھتا ہوں جس کا ذکر مولانا خلیل داس نے صفحہ: ۲۲ میں کیا ہے۔ تحریر حسبِ ذیل ہے:

''گویند چوں بیاس ہندی بہ بلخ رسید گستاسپ بادشاہ زرتشت را بخواند یا اوآمدن آں دانا گفت: وخشور پاسخ داد کہ یزداں آساں کند۔ پس شہنشاہ فرمود: تا ہر کشورے فرزکاں وموبداں را بخواند، چوں ہمہ گرد آمدند زرتشت از آفرین خانہ برآمد و بیاس با انجمن آمدہ وخشور گفت: اے زرتشت! از پاسخ و راز گزاری شنکر جی جہانیاں آہنگ کیش تو خبر دارند وخبر ایں فرجو یہائے بسیار شنیدہ ام، من مردے ہستم ہندی نژاد و بر آتش بے نظیر راز سر بستہ دارم کہ از دل برزبان نیاوردہ ام، اگرچہ گروہے کہ اہرمنان با اہرمن کیشاں دیو پرستاں آگہی مید ہند و خبر از دل من ہم گوش نشنیدہ، گر دریں انجمن ازاں راز ہا یک برمن بخوانی بہ آئین تو آئیم۔ زرتشت گفت: پیش از آمدن تو اے بیاس یزداں ازاں راز ہا بمرا آگہی بخشیدہ ازیں ورسم را از آغاز تا انجام برو خواند چوں شنید و چم پرسید بمقر رسید یزداں را نماز بردو بہ آئین در آمد و بہ ہندو بازگشت''۔ وید ویاس کے پہلے شنکر گئے تھے اور وہ زرتشتی ہو کر آئے جیسا کہ ''دساتیر'' مطبوعہ

---

[1] یجروید: ۶/۱۴

ایران صفحہ: ۱۳۵ میں لکھا ہے۔ اس کے بعد وید و یاس گئے جیسا کہ مذکورہ بالا تحریر سے ظاہر ہے۔ بعدۂ وید و یاس نے وہاں سے آنے کے بعد اس مذہب کی ویدوں کے ذریعے اشاعت کی۔ اسی لیے مراسم جنتری طریقِ عبادت سامان ہوم ویدک لحن، اندازِ بیان پارسیوں کی کتاب اور وید کا ایک ہے۔ مثال کے لیے میں ارث یعنی صبح صادق اور میں جھوٹی صبح یعنی صبح کاذب کو سراہتا ہوں (گاہ اشہن آیت ۴ اور ۵)۔[1] میں ارث یعنی صبح صادق کی تعریف کرتا ہوں (رگوید منڈل ا، سوکت ۵۲ منترا)۔ ڈاکٹر گیگر کی تحقیق ہے کہ ایرین اور زرتشتی کی قدیم جنتری ایک ہے۔ ڈاکٹر جان لیسوز نے اپنی کتاب ''اکونٹ آف دی ویداس'' میں لکھا ہے کہ وید پر جاپتی (خدا) کی ڈاڑھی ہے۔ اس کی سند برہمنا (۳-۹۳-۱) سے دی ہے۔ اور لکھا ہے کہ اشلوک بنانے والوں کا نام اور ولدیت بھی موجود ہے۔

آج تیرہ سو برس کا زمانہ گزرا مگر مدعیانِ توحید آج تک قرآنِ پاک کے ایک جملے کا سا جملہ نہ بنا سکے اور عرب کے فصحا و بلغا کو سورۂ اخلاص دیکھ کر کہہ دینا پڑا کہ یہ انسان کا کلام نہیں۔ اسلام کی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ہزاروں دشمن موجود تھے اور ہیں، مگر تحریف کرنے سے مجبور۔ جامعیت ایسی کہ دنیا ویسا کلام دوبارہ نہ پیش کرسکی۔ وید پران اور منوسمرتیاں بتلائیں کہ ہمارے یہاں تحریف موجود ہے۔ موجودہ انجیل بھی شہادت دیں۔ مگر اسلام اور اس کی مقدس کتاب کو ابدالآباد تک فخر رہے گا کہ وہ تمام نقائص سے پاک ہے۔ تعریف و زیادتی سے محفوظ ہے اور محفوظ رہے گی۔ یہ روحانیت ہی کا نسخہ ہے کہ وہ نور جو فاران پر چمکا تھا اس نے قریب قریب ساری دنیا کو روشن و منور کر کے چھوڑا۔ بنی اسرائیل کی روٹی دوسروں کے آگے نہ ڈالی جائے، مگر دنیا کا سب سے بڑا روحانی فلاسفر تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ (اخلاق کا سبق خدا سے لو) کہہ کر دنیا کو اخلاق کا سبق دے گا۔ یہیں تک نہیں، بلکہ فرماتا ہے کہ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ پھر مکرر ارشاد ہوتا ہے: نیک اللہ کے لیے اور گناہ گار میرے لیے ہیں اور اس کے بعد اللہ کا کلام ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ (قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور مؤمنوں کو رسوا نہ کرے گا) سنا کر تسکین دے دیتا ہے۔ یہی سب

[1] ماخوذ از ''ویدوں کا ماخذ'' مصنفہ بابا خیل داس، ص: ۱۳۰

وجوہ ہیں کہ اسلام نے ایک دنیا کو گرویدہ بنا کر غیروں سے بھی خراجِ تحسین حاصل کرلیا۔ مذکورہ بالا باتوں کو دیکھ کر ایک منصف مزاج کہہ دے گا کہ اسلام کی روحانیت کے مقابلے میں گنگا اور جمنا کا پانی، پانی پانی ہے (آزاد کراکتی)۔[1]

ہندوستان کے مشہور راجہ بھوج کا اسلام لانا

گورکھپور ہمیشہ سے مہمان نواز شہر ہے اور جو ایک مرتبہ اس سرزمین پر قدم رکھتا ہے اس کو اس کی خاک پھر کبھی نہ کبھی اپنی خاک پیمائی کے لیے کھینچ بلاتا ہے۔ اس کی وہ گلیاں جنھیں شاعر ریاض خواب میں نہیں معلوم کتنی بار دیکھ چکا اور اپنی آنکھوں سے ان کی جاروب کشی کر چکا ہے، اپنے اندر ایک قوتِ جاذبہ اور کششِ تازہ رکھتی ہیں۔ میں بھی اسی کشمکش کے ماتحت اکثر گورکھپور آتا رہا، میں سمجھتا ہوں کہ عرصہ تین سال کا ہوا جب میں کسی ضرورت سے گورکھپور اپنے مکرم جناب مولوی سبحان اللہ صاحب کے یہاں آیا تھا، صبح کا وقت تھا اور اس وقت اتفاق سے میرے بزرگ مولوی محمد نصیر صاحب صدیقی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ مولوی سبحان اللہ صاحب کی بہشت کتب کی سیر میں مصروف تھے، ایک کتاب دیکھی جا رہی تھی جو غالبًا مشاہیر کے احوال میں بہ طور لغت اور قاموس کے تھی، اس میں ایک تذکرہ راجہ بھوج کے متعلق تھا، وہ ایسا حیرت انگیز اور سراپا تسخیرِ دلہا تھا کہ ہم سب لوگ اس کے مضامین سے بے حد متاثر ہوئے۔

بالآخر میں نے اپنے دوست سیّد مقبول حسین وصل بلگرامی کو تکلیفِ کتابت دی اور انھوں نے اس عبارت کو جو فارسی میں تھی، میری بیاض پر نقل کر دیا۔ یہ عبارت اکثر دوستوں نے بسبیلِ تذکرہ جب ترغیب و تبلیغِ اسلام کا ذکر آ گیا، اپنے طور پر لکھ کر محفوظ کر لی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ راجہ بھوج نے حضرت نبی اُمّی، رسول و مخبرِ صادق، سراپا معجزہ فطرت، سراپا صداقت و بشارت، تکمیل دہندہ وحدانیّتِ حق، عطا کنندہ حُریّت و مساوات و اخوتِ عالم گیر کے معجزہ شق القمر کو ہندوستان میں دیکھا تھا، اس نے کچھ لوگوں کو عرب بھیج کر اس کی تصدیق اور اس کے اعتراف سے بہرہ اندوز ہو کر اسلام قبول کیا۔ نام اس کا شیخ عبداللہ رکھا گیا اور وہ بہت باخدا اور

[1] منقول از اخبار ''مشرق'' گورکھپور۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۲۷ء

عابدِ وقت گزرا اور اس کا مزار دھار دار (گجرات) میں ہے۔ میں اس واقعے پر اپنی جگہ پر اکثر غور کرتا رہا اور لوگوں سے اس کی تحقیق و تفتیش کرتا رہا، مگر کوئی خاص ثبوت مجھ کو میرے اطمینان کے لائق نہیں ملا۔ ہاں! اس مرتبہ جب میں گورکھپور گیا تو بعض کاغذات میں جو ایک میزبان کے دوست کے یہاں گوشے میں پڑے ہوئے کسمپرسی اور معدومیت کے تصرفات کا ہر لمحہ انتظار کررہے تھے، ایک کتاب میں جس کا نام اس کے شروع کے صفحات کے نہ ہونے سے نہیں بتا سکتا، کتاب صفحہ ۷ سے صفحہ ۱۴۱ تک بادامی کاغذ پر چھپی ہوئی ہے۔ اس میں اکثر صوفیائے کرام کے تصنیفات اور ضلع اعظم گڑھ، بستی اور گورکھپور کے بعض مرحومین کا ذکر آیا ہے۔ کتاب کا تخاطب ان لوگوں سے ہے جو حق کے پیاسے اور نجات کے بھوکے ہیں اور قدیم ہندو کتب سے وحدانیتِ خدا اور رسالتِ محمدی کو ثابت کرتے ہوئے تبلیغ و قبولیتِ اسلام کے بعض عجیب واقعات بھی مؤلف نے لکھے ہیں۔ نام مؤلف کا معلوم نہیں، ممکن ہے کوئی صاحب گورکھپوری اس کو بتا سکیں۔ یہ دلچسپ کتاب ہے۔ یہ بوسیدہ عمارت کی طرح اپنے نقش و نگار سے اپنی محنت و تلاش کی داد دے رہی ہے، اس کے ستانویں صفحے پر آخری سطور میں یہ تحریر ہے:

''مولوی صاحب کا بیان ہے کہ شیخ امید علی جو موضع کولا واماری ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں فتح خاں تحصیل دار ضلع اعظم گڑھ کے یہاں طالب علمی کرتا رہا۔ انھوں نے اپنے کتب خانے کی نگہبانی میرے حوالے کی تھی۔ میں نے ایک روز ان کتابوں کو دیکھا تو اس میں سے راجہ بھوج کے روزنامچے کا ترجمہ جو فیضی نے لکھا تھا وہ بھی نکل آیا، اس کو جب میں نے پڑھا تو اس میں ایک روز کے ذکر میں چاند کے دو ٹکڑے ہوجانے کا احوال بھی لکھا تھا، وہ اصل پوتھی کا ترجمہ تھا اور مولوی حسن رضا خاں صاحب جو موضع سہسی ضلع بستی کے رہنے والے ہیں، وہ مجھ سے کہتے تھے کہ راجہ بھوج دو ہیں: ایک راجہ بھوج اوّل، ایک دوسرے ہیں۔ دوسرے راجہ بھوج کی اولاد میں میں ہوں۔ وہ شہر دھار کا رہنے والا ہے اور وہاں کا راجہ تھا۔ ایک روز اپنی کوٹھی پر بیٹھا ہوا تھا، رات کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ اس نے برہمنوں کو جمع کیا۔ برہمنوں نے خبر دی کہ کوئی شخص ملکِ عرب میں پیدا ہوئے ہیں، ان کا یہ معجزہ ہے۔ راجہ نے ایک شخص کو حضرت ﷺ کے پاس بھیجا کہ کوئی

شخص ہمارے پاس بھیج دیجیے کہ آپ کے دین کی باتیں ہمیں سکھلا دے۔ آپ ﷺ نے کسی صحابی کو بھیج دیا، انھوں نے اس کو مسلمان کیا اور نام اس کا راجہ عبداللہ رکھا اور جب وہ مسلمان ہوا سب لوگوں نے اس کو راج سے اُٹھا دیا اور اس کے بھائی کو راجہ بنایا اور وہ صحابی جو آئے تھے وہ بھی اسی شہر میں مر گئے۔ جہاں راجہ کی قبر ہے وہاں اُن کی بھی قبر ہے“۔[۱]

چند نکتہ آرائیاں

از بیانات مولوی سیف اللہ صاحب گورکھپوری واقعہ ۱۳۰۲ھ

۱۔ میں نے پرانے لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ فتح خان نامی تحصیل دار اعظم گڑھ میں گزرے ہیں، اُن کی یادگار اُن کی بنوائی ہوئی سرائے واقع متصل ہسپتال اب تک قائم کیسے ہے، اس پر ایک کتبہ بھی موجود ہے۔

۲۔ موضع کولاوا ماری ضلع اعظم گڑھ میں اس وقت نہیں معلوم ہوتا۔ انباری یا اماری البتہ ہے۔ ممکن ہے کہ وہ موضع کولدواباری جو آج گورکھپور کے ضلع میں ہے، پہلے اعظم گڑھ میں رہا ہو۔

۳۔ مولوی سیف اللہ گورکھپوری نے ۱۳۰۲ھ میں شیخ اُمید علی صاحب سے اس واقعے کو بحوالہ روزنامچہ راجہ بھوج مترجمہ فیضی سنا تھا، خیال ہوتا ہے کہ مولوی سیف اللہ شاید مولوی مجیب اللہ صاحب کے خاندان میں کوئی اگلے بزرگوں میں سے تھے۔

۴۔ راجہ بھوج ہندوستان کا بہت بڑا مشہور راجہ گزرا ہے ”کہاں راجہ بھوج کہاں گنگوا تیلی“ پرانی مثل راجہ بھوج کی قدامت اور عظمت کو ظاہر کر رہی ہے۔

۵۔ مولوی حسن رضا خان بستی ضلع کے رہنے والے تھے، وہ معلوم ہوتا ہے راجہ بھوج ثانی کے خاندان سے تھے اور وہ راجہ بھوج کے مسلمان ہونے کی وجہ سے کسی نسل میں مادر زاد مسلمان تھے۔

۶۔ بھوج پور بلیا کے پاس آرہ کے راستے میں ایک پرانا گاؤں اب تک ہے اور بلیا کی زبان اب تک بھوجپوری کہی جاتی ہے۔ اس گاؤں کے باہر کچھ پرانے کھنڈرات ہیں، جن میں

---

[۱] منقول از اخبار ”مشرق“ گورکھپور۔ ۱۳ راپریل ۱۹۲۷ء

ایک بِلا چھت کے محل شاہی اور کچھ زمین دوز راستے اور آثار ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ راجہ بھوج کے محل کے گرے پڑے نشانات ہیں۔

۷۔ بھوج پتی یا بھوج پوتھی کی بابت اکثر لوگوں سے ذکر آیا ہے، یہ وہی پوتھی ہے جس کو علامہ فیضی نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کی بابت مزید تحقیقات کی ضرورت ہے کہ آیا راجہ بھوج کا روزنامچہ فارسی میں اس وقت کسی کتب خانے میں ہے یا نہیں۔

۸۔ بلیا کے پرانے قصصِ تاریخی میں ہے کہ دریائے گنگا کے اسی ساحل جس پر غازی پور اور بلیا ہے، دسوامتر مشہور ہندو رشی کی کٹی تھی اور یہ مشرقی حصّہ کسی بڑی ہندو حکومت کا پتا اپنے روایات سے دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس نواح میں اسلام راجہ بھوج کے مسلمان ہونے پر پھیلا ہو۔ اور غازی پور، اعظم گڑھ اور گورکھپور میں جو بڑی تعداد راجپوت مسلمانوں اور شریف ہندوؤں کی پھیلی ہے وہ ایک بڑے راجہ کو مسلمان ہونے پر مبنی ہو۔ اسی نواح بلیا میں پرسرام ایک مشہور ہندو راجپوت فاتح گزرا ہے جس نے برہمنوں کے خلاف ایک سلسلۂ جنگ وحرب کو تا دیر جاری رکھا تھا۔

۹۔ میرے ایک عزیز جو بھوجپور کے قریب رہنے والے اور اکثر ان ہی اطراف میں اپنی آمد ورفت رکھتے ہیں، کہہ رہے تھے کہ یہاں گنواروں میں شہرت ہے کہ راجہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کو تخت سے اتار دیا گیا تھا اور وہ گجرات کی طرف چلا گیا تھا۔

۱۰۔ راجہ بھوج اوّل اور راجہ بھوج ثانی کی بحث میں مزید کاوش اور جگ بیائی کی حرکات سے ممکن ہے کہ نام اور کچھ ہوتا رہا ہو، صرف لقب راجہ بھوج ظاہر بات کے ساتھ مشہور ہوا ہو۔ بہر حال یہ راجہ بڑا راجہ گزرا ہے۔

۱۱۔ راجہ بھوج کے آثارِ پیشین اور ذرّاتِ قدامت میں ایک چیز ایسی بھی مٹی ہوئی پائی جاتی ہے جس کو رصد خانہ کہہ سکتے ہیں اور جس کے دھندلے نشانات بہ زبانِ حال کہہ رہے ہیں کہ اس راجہ کے دربار میں بڑے بڑے نجومی، بڑے بڑے مقدس عالم سنسکرت کے تھے۔ جنھوں نے اپنے کتب اور روایات سے اس کو تسلیم کیا تھا کہ کوئی سچّا پیغمبر عرب میں گزرا ہے۔

مزید یادداشتیں: جب موپلوں کے واقعات یعنی ہندوؤں پر کیا کیا مظالم موپلوں نے کیے، اس کی تحقیقات کے لیے مہاتمہ لالہ ہنسراج بی۔اے نے سواحل مالابار کی سیر کی تھی تو اس میں ایک روز ان کو ساحل مالابار پر اسلام کے پھیلنے کا راز معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اتفاقیہ انھیں مالابار کے کسی پرانے مندر میں جس کی کہنگی اور تبرکات ماضیت موجبِ جذبِ تشویقِ سیاح تھے، سنسکرت کی ایک پرانی تاریخ میں وہ واقعہ ملا جس کو لالہ ہنسراج بی۔اے اسلام کے پھیلنے کا سبب ٹھہراتے ہیں اور اس کو وہ اپنی رپورٹ میں لکھ چکے ہیں۔ اسی کا ترجمہ مجھ کو یاد پڑتا ہے۔ آگرہ سے جو اخبار ''مبلغ'' یا ''تبلیغ'' نکلتا تھا اس میں بھی چھپ چکا ہے، اس حوالے میں بھی لکھا تھا کہ ساحل مالابار کے راجہ صاحب نے چاند کا دو ٹکڑے ہونا دیکھا تھا۔

رات کے وقت ایسے واقعے کے پیش آنے سے جو گھبراہٹ ہوئی اس کے باعث اپنے خاص الخاص مصاحبوں کو جس میں ایک مرتاض اور باخدا پنڈت بھی تھا، بلوایا، اس نے اپنے عقیدے کے مطابق بعض پیشین گوئیاں بعثتِ حضورِ انور، سرخیلِ انبیا، سرِ دفترِ پیغمبراں، راعی بندگانِ خدا، کمبل پوش حراء، محمد مصطفیٰ ﷺ کی بابت بیان کیں۔ راجہ نے دوسرے دن دربار کیا۔ اعیانِ حکومت اور سردارانِ رعایا کو بلایا اور واقعہ بیان کرنے کے بعد سات آدمیوں کو مکّہ معظمہ تصدیقِ رسالت کے لیے روانہ کیا۔ وہ لوگ یہاں سے گئے، جس کے بعد جب وہ لوگ واپس آئے تو راجہ مسلمان ہوا اور اس کے ساتھ اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہندوستان میں کئی جگہ یہ واقعہ پیش آیا تھا اور اس کی خبریں پرانے حوالہ جات میں ملتی ہیں۔

بابو بپن چندر پال کے خیالات

وید اور شاستر میں گائے کشی کا تذکرہ: ویدوں میں قربانیٔ گائے کا اکثر ذکر آیا ہے۔ گھوڑے کی قربانی (اسومیدہ یا جنہ) اور گائے کی قربانی (گئو میدھ یا جنہ) کا تذکرہ نہایت وضاحت سے کیا گیا ہے۔ ''سرادت'' کی کتابوں میں جن میں تمام ہندوؤں کے مذہبی قوانین ہیں، اس کی ناقابلِ انکار شہادتیں موجود ہیں کہ مقدس سے مقدس برہمن بھی گائے کا گوشت کھاتے

تھے۔ اس میں یہ صاف الفاظ ہیں کہ جب راجا پرجا میں سے کسی کے یہاں جائے تو اس کو لازم ہے کہ راجا کے سامنے گائے کا تازہ گوشت پیش کرے۔ یہی حکم گرو اور پروہت کے لیے بھی ہے کہ جب وہ تشریف لائیں تو گائے کے گوشت سے ان کی تواضع کی جائے۔ نیز یہ بھی حکم ہے کہ جب داماد ایک سال کے بعد سسرال میں آئے تو سسرال والوں کا فرض ہے کہ گائے کے گوشت سے اس کی خاطر مدارات کریں۔

بھوا بھوتی کا زمانہ: ویدوں کے ابتدائی زمانے میں بھی یہی قانون اور رواج تھا اور اس کے بعد سنسکرت کی اونچے درجے کی کتب میں اسی کا پتا چلتا ہے۔ بھوا بھوتی کے مشہور ناٹک ''اوتر رام چرت سین'' ایک سین ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ راکھو خاندان کے راجاؤں کا سب سے بڑا (مہا) پروہت واملیکی کے آشرم میں قدم رنجہ فرماتا ہے (یہ آشرم قدیم ہندو یونیورسٹیوں کے قائم مقام تھے، جہاں تمام ملک سے طلبہ آ کر تحصیلِ علوم کیا کرتے تھے) جب مہا پروہت تشریف لائے تو اُن کے اعزاز میں طلبہ کو چھٹی دی گئی۔ ناٹک کے مین میں سب سے پہلے طلبہ کی بات چیت ہے۔ ایک لڑکا سوال کرتا ہے کہ یہ بوڑھا کون ہے؟ دوسرا جواب دیتا ہے کہ یہ رشی سسٹ گین جو راکھو راجاؤں کے مہار پروہت ہیں۔ پہلا لڑکا کہتا ہے کہ ہاں! میں سمجھتا تھا شیر ہیں۔ دوسرے نے کہا: تم توہین کرتے ہو۔ پہلے نے کہا: نہیں، یہ بگڑنے کی بات نہیں۔ یہ بڈھا جب ہمارے آشرم میں آیا تو اس کے لیے ہمارا پیارا بچھڑا اس کی ضیافت کے لیے ذبح کر ڈالا گیا، پھر یہ شیر کیوں نہیں؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بھوا بھوتی کے زمانے تک یہی رسم جاری تھی۔

آریہ ہندو گوشت خور: پال بابو کہتے ہیں کہ آریہ ہندو یعنی زمانۂ حال کے برہمنوں کے باپ دادا گائے کا گوشت کھاتے تھے۔ اس کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ سنسکرت میں مہمان کو ''گئو گہنا'' کہتے ہیں، جس کے معنی ''گائے کو مارنے والا'' ہے۔ جب گائے کا گوشت کھانا اور گائے کا ذبح کرنا ترک کر دیا گیا تو بجائے اس کے گائے مہمان کو نذر دینے کی رسم قرار دی گئی، یعنی جب مہمان رخصت ہوتا تو گائے اس کے حوالے کر دی جاتی۔ رفتہ رفتہ یہ نذرانۂ گائے بھی

متروک ہوا، مگر اس کی جگہ مہمان کے گھر میں داخل ہوتے ہی ایک گائے دروازے پر باندھ دی جاتی تھی اور مہمان کی رخصتی پر خاندان کا نائی بلند آواز سے چلاّ کر کہتا تھا کہ گئو، گئو، گئو، گئو (یعنی گائے، گائے) اور دروازے پر بندھی ہوئی گائے کھول دی جاتی تھی۔ چناں چہ یہ رسم ملک کے اکثر حصوں میں اب تک جاری ہے۔ اور بنگال میں جب کسی ہندو گھرانے میں شادی ہوتی ہے تو اس کی بعض رسوم میں نائی ''گئو، گئو، گئو، گئو'' کے نعرے لگایا کرتا ہے۔ اس لیے ہندوؤں کو کوئی حق نہیں کہ بقرعید کے تہوار پر گائے کی قربانی کے خلاف وہ مسلمانوں کا سر پھوڑتے پھریں۔

زنّار بندی میں گائے کا چمڑا: سب سے زیادہ مضبوط دلیل یہ ہے کہ جب برہمن کو زنّار پہنایا جاتا ہے اور یکھوپویپت کی رسم ادا کی جاتی ہے جس پر اس کے تمام تر برہمنی تقدس کا انحصار ہوتا ہے تو یہ لازمی ہے کہ پہلے زنار میں گائے کی کھال باندھی جائے۔ ظاہر ہے کہ گائے کو ذبح کیے بغیر اس کی کھال حاصل نہیں ہوسکتی اور یہ مسلّمہ امر ہے کہ مقدس مقاصد میں مردار گائے کی لاش مستعمل نہیں ہوسکتی۔ غرض پال بابو نے جس طرح مسجد کے سامنے باجے کی ممانعت خلاف مذہبِ اسلام بتائی ہے (خواہ یہ دعویٰ ہونے کے سبب مقبول ہو یا نامقبول) اس سے زیادہ ذبحِ گائے کی مخالفت ہندو مذہب کے خلاف ثابت کی ہے (جو اقرار ہونے کے سبب یقیناً مقبول ہے)۔[1]

حضور نبی کریم ﷺ کی صداقت و رسالت کا ثبوت غیروں کی تحریروں سے

اگر سچے رسول میں ان علامتوں کا پایا جانا ضروری ہے کہ وہ ایثارِ نفس اور اخلاصِ نیت کی جیتی جاگتی تصویر ہو۔ اور اپنے نصب العین میں یہاں تک محو ہو کہ طرح طرح کی سختیاں جھیلے، انواع واقسام کی صعوبتیں برداشت کرے، لیکن اپنے مقصد کی تکمیل سے باز نہ آئے۔ ابنائے جنس کی غلطیوں کو فوراً معلوم کرلے اور ان کی اصلاح کے لیے اعلیٰ درجے کی دانشمندانہ تدابیر سوچے اور ان تدابیر کو قوت سے فعل میں لائے، تو میں نہایت عاجزی سے اس بات کے اقرار کرنے پر مجبور ہوں کہ حضرت محمد (ﷺ) خدا کے سچے نبی تھے اور ان پر وحی نازل ہوئی تھی۔ (ڈاکٹر جے ڈبلیو۔لیٹز)

[1] منقول از اخبار ''مشرق'' گورکھپور۔ ۳۱ رمئی ۱۹۲۷ء

حقیقی اور سچے ارادوں کے بغیر یقیناً کوئی اور چیز محمد (ﷺ) کو ایسا لگاتار استقلال کے ساتھ جس کا آپ سے ظہور ہوا، آگے نہیں بڑھا سکتی۔ ایسا استقلال جس میں پہلی وحی کے نزول کے وقت سے لے کر آخر دم تک نہ کبھی آپ مذبذب ہوئے اور نہ کبھی آپ کے قدم سچائی کے اظہار سے ڈگمگائے۔ (پروفیسر فریمین)

حضرت محمد (ﷺ) فقط ایک صاحبِ علم ہی نہ تھے، بلکہ صاحبِ عمل بھی تھے۔ انھوں نے اپنی اُمّت کو عمل کی تاکید کی۔ چناں چہ جیسی انسانیت و مروّت مسلمانوں میں ہے شاذ و نادر ہی کسی قوم میں پائی جاتی ہے۔ (روڈمن صاحب)

میں (حضرت) محمد (ﷺ) کو دنیا کے بہت اولوالعزم لوگوں میں شمار کرتا ہوں۔ انھوں نے قبائلِ عرب سے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر کے بہت بڑی پولیٹکل گتھی کو سلجھایا اور میں ان کی کما حقہ، تعظیم و تکریم کرتا ہوں۔ (ڈاکٹر مارگیلوش)

میں مذہبِ اسلام سے محبت کرتا ہوں اور اسلامی پیغمبر کو دنیا کے بڑے بڑے مہاپرشوں میں سمجھتا ہوں۔ آپ کی سوشل اور پولیٹکل تعلیم کا مداح ہوں اور اسلام کا بہترین رنگ وہ تھا جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا۔ (لالہ لاجپت رائے)

محمد (ﷺ) کا مذہب صاف شک و شبہ سے بالاتر ہے اور خدا کی وحدانیت کی تصدیق میں قرآن ایک شاندار شہادت ہے۔[1] (ایڈورڈ گبن)

محمد ﷺ کا نام[2]: ۸؍فروری ۱۹۲۷ء کی شام کو ایک نور آسمان پر پیدا ہوا اور اس نور میں محمد (ﷺ) نام بخطِ نور نظر آیا جو بہت دیر تک قائم رہا اور اس کو بہت سے شہروں میں لاکھوں ہندو مسلمانوں نے دیکھا۔ اس واقعے کی نسبت ۴؍مارچ ۱۹۲۷ء کو ایک شخص نے حیدرآباد سے جبل پور کے یورپین کلکٹر صاحب سے تصدیق چاہی اور کلکٹر صاحب نے اس کے جواب میں یہ خط لکھا:

از دفتر کلکٹری جبل پور!

---

[1] منقول از اخبار ''اہلِ سنت و جماعت'' امرتسر۔ یکم جون ۱۹۲۷ء

[2] اس واقعے کی تفصیل النور شوال ۱۳۴۵ھ صفحہ: ۲۹ تا صفحہ: ۳۴ میں مذکور ہے۔

''میں آپ کو ۴ر مارچ ۱۹۲۷ء کے کارڈ کے جواب میں مطلع کرسکتا ہوں کہ یہ خبر بالکل سچ ہے کہ نامِ پاک حضرت پیغمبر صاحب مغرب کی جانب آسمان پر ۸ر فروری ۱۹۲۷ء کو صاف نظر آیا اور ہزاروں آدمیوں نے جبل پور میں اس نظارے کو دیکھا''۔

یہ تصدیق دیکھنے کے بعد جو ایک غیر مسلم یورپین افسر نے کی ہے، ہر مسلمان پر واجب ہوگیا کہ وہ ایک دوسرے کو اس واقعے کی خبر دے دے، تاکہ مسلمانوں کو خوشی ہو کہ ان کے رسولِ پاک کا نام اس انکار کے زمانے میں بخطِ نور آسمان پر چمکتا اور دمکتا ہوا نظر آیا۔[1]

تصدیقِ رسالت رسول ربّانی ایک مسیحی عالم کی زبانی

از مولانا حبیب اللہ صاحب امرتسری

واضح ہو کہ ایک مسیحی عالم نے ایک کتاب مسمّیٰ بہ ''قران السعیدین'' لکھی ہے۔ یہ کتاب ۲۸ صفحوں کی ہے اور ۱۹۲۹ء میں آر۔ بی۔ ایس پریس لاہور میں چھپی ہے۔ اس کتاب کا مصنف وہی ہے جس نے اس سے پیشتر ایک کتاب ''موازنہ انجیل و قرآن'' لکھی تھی۔ کتاب ''قران السعیدین'' کا دوسرا نام ہے ''محمدِ عربی و مسیحِ ناصری''۔

اس کتاب ''قران السعیدین'' کے مصنف نے آں حضرت ﷺ کی نسبت جو اپنا عقیدہ ظاہر کیا ہے اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ عرب کے اُمّی رسول کی زندگی کے حالات نہایت تفصیل کے ساتھ موجود ہیں، یہاں تک کہ عقیدت مندوں نے معمولی نقل و حرکت اور نشست و برخاست کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور ضخیم جلدوں میں روایت، درایت اور حکایت کی بنا پر نہایت مفصّل سوانح حیات لکھی ہے۔ اور اگر کسی قوم کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اپنے راہ بر و راہ نما اور اپنے ہادی و مقتدا کے حالاتِ زندگی کو کامل اور اکمل طور پر جمع کیا ہے تو وہ صرف اہلِ اسلام ہیں جنھوں نے نہ صرف اقوال کو محفوظ رکھا، بلکہ اقوال کو بھی گفتار کو بھی منضبط کیا اور کردار

---

[1] منقول از اخبار ''المشرق''، یکم جولائی ۱۹۲۷ء

کو بھی۔ ولادت، رضاعت، لڑکپن، شباب اور کہولت کے سارے حالات و واقعات سوانح نگاروں، تذکرہ نویسوں اور محدثوں نے لکھ مارے اور وہ بھی اس جامعیت کے ساتھ کہ بقول علامہ شبلی مرحوم اقوال و افعال، وضع و قطع، شکل و شباہت، رفتار و گفتار، مذاقِ طبیعت، اندازِ گفتگو، طرزِ زندگی، طریقِ معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی۔[1]

۲۔ خاتمہ میں ہم نے حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر زور دیا ہے اور بتایا ہے کہ ایمان داری، بے تعصبی، وسیع القلبی اور شرافت اس بات کی مقتضی ہیں کہ عیسائی دوست اپنے دلوں کو صاف کریں اور یقین جانیں کہ دین داری اس کے علاوہ کچھ اور ہے کہ آں حضرت کو بُرا بھلا کہیں اور اُن سے بغض و عداوت رکھیں، بلکہ مناسب ہے کہ ان کی خوبیوں پر نظر کریں، حسبِ مرتبہ اُن کی قدر کریں، تعظیم کریں اور حتی المقدور مسلمانوں کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے ان کے ساتھ رواداری سے پیش آئیں۔[2]

۳۔ حضرت محمد ﷺ کی شفقت اور نرم دلی کی آیات بھی ہم نے نقل کی ہیں۔ لکھا ہے کہ رسول ایمان داروں پر شفیق و مہربان ہے۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ ایک روشن چراغ تھے۔ رحمۃ للعالمین اور صاحبِ خلقِ عظیم تھے کہ ان کے اوصاف سے آخر ان کی کوشش بارآور اور سعی مشکور ہوئی۔[3]

۴۔ آں حضرت ﷺ کی صفاتِ حمیدہ و فضائلِ حسنہ، خُلقِ عظیم، شرافت و نجابت، بلکہ منصبِ رسالت کا انکار بھی محال ہے۔ وہ جس نے عرب کے بادیہ نشینوں کی کایا پلٹ دی اور اس کندۂ ناتراش جاہل اور کینہ پرور قوم کو اخلاقِ فاضلہ و پسندیدہ کے زیور سے مزین کر دیا۔ شراب جو اُن کی گھٹی میں پڑی تھی، چھڑا دی۔ قمار بازی کی لت جو ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی، ہٹا دی۔ اور زنا و لواطت کی رسم کو مٹا دیا۔ غرض بے شمار اخلاقِ ذمیمہ اور افعالِ شنیعہ کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔ اور شرک و بت پرستی کی بجائے توحید کا علم نصب کیا۔ اور وہ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان میں ایک بے نظیر

[1] ص:۳۰ [2] ص:۵ [3] ص:۵۸

اخوت واُلفت اور مواسات ومساوات کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اس شاندار انسان اور قابلِ قدر مصلح پر بے بنیاد اعتراضات کرنا اور اس پر بہتان باندھنا اور ہر ملامت کے لیے اُسے نشانہ بنانا نہایت مکروہ اور نازیبا فعل ہے۔[۱]

۵۔ ہمارا یقین ہے کہ وہ ایک عظیم الشان، ذی قدر اور بلند مرتبہ انسان تھا۔ مرسل تھا۔ مامور من اللہ تھا۔ اور اس میں وہ الٰہی روشنی اور حقیقی نور پر تو فگن تھا جو دنیا میں آ کر ہر شخص کو منور کرتا ہے۔ اور یہ کچھ ہمیں پر موقوف نہیں، بلکہ بیشتر غیر مسلم مصنفین باوجود مخالفت ودشمنی کے آپ کی خوبیوں کا اقرار کرنے پر مجبور ہو گئے، یہاں تک کہ بعضوں نے صاف الفاظ میں ان کا مامور من اللہ اور رسول اللہ ہونا تسلیم کیا ہے۔[۲] الخ ملخصاً[۳]

❁ مسٹر کارلائل لکھتے ہیں:

عرب کی قوم کے حق میں اسلام کا آنا گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے پہل اسی کے ذریعے سے زندہ ہوا۔

اہلِ عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں ہی پھرا کرتی تھی۔ اور کسی شخص کو اس کا کچھ خیال ہی نہ تھا۔ اس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے، بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور ہو گئی تھی۔ چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی چیز بن گئی۔ اوس کے بعد ایک صدی کے اندر عرب کے ایک طرف ''غرناطہ'' اور ایک طرف ''دہلی'' ہو گئی۔ عرب کی بہادری، عظمت کی تجلی اور عقل کی روشنی زمانہائے دراز تک دنیا کے ایک بڑے حصے پر چمکتی رہی۔ اعتقاد ایک بڑی چیز اور جان ڈال دینے والا ہے، جس وقت کوئی قوم کسی پر اعتقاد لاتی ہے تو اس کے خیالات بار آور اور روح کو عظمت دینے والے اور رفیع الشان ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے عرب، اور یہ ہے محمد (ﷺ)، اور یہ ہے ایک صدی کا زمانہ۔ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو اندھیرے میں کسمپرس ریگستان تھا، مگر دیکھو کہ اس ریگستان نے زور وشور سے اُڑ جانے والی بارود کی طرح نیلے آسمان پر اُٹھتے ہوئے شعلوں سے دہلی سے غرناطہ تک روشن کیا۔

---

[۱] ص:۸۴ [۲] ص:۸۴و۸۵ [۳] منقول از ''العدل'' گوجرانوالہ۔ ۲۹؍جولائی ۱۹۲۷ء

محمد (ﷺ) حیاتِ ابدی کا ایک نورانی وجود تھا جو قدرت کے وسیع سینہ سے دنیا کو منور کرنے کو نکلا تھا اور بے شبہ اس کے لیے امرِ ربّانی یوں ہی تھا۔

❁ ایک اور یورپین لکھتا ہے کہ جو نتیجے اسلام سے حاصل ہوئے وہ اس قدر وسیع، دقیق اور مستحکم ہیں کہ ان کی تکمیل کر لینا تو در کنار، ہم یقین نہیں کر سکتے کہ وہ انسان کے خیال میں بھی آ سکیں۔ اسی سبب سے بہ عوض اس کے کہ اس کی نسبت اس طرح بحثیں کی جائیں جس طرح کہ ''سولن'' کے قانون اور یا ''نپولین'' کی فتوحات کے نتائج کے اندازہ کرنے میں کی جاتی ہیں یا تو اس کی نسبت یہ کہا جائے کہ اتفاقیہ ہو گئے ہیں یا بہ مجبوری ربّانی مرضی کی طرف منسوب کیا جاوے۔ بایں ہمہ یہ نظم ایک شخصِ واحد نے کیا تھا جس نے اپنے ملک کے تمام باشندوں میں اپنی روح پھونک دی اور تمام کے دل پر نہایت تعظیم و تکریم کا خیال جو کسی انسان کے لیے کبھی ظاہر نہیں کیا گیا، نقش کر دیا۔ جو سلسلہ قوانین و اخلاق کا ان سے بنایا وہ اعلیٰ درجے کی ترقی سے بھی ایسا ہی موافق تھا جیسا کہ ادنیٰ ترین لوگوں سے اور اس سلسلے نے ایک قوم سے دوسری قوم میں گزر کر ہر ایک قوم کو جس نے اُسے قبول کیا ان قوموں اور سلطنتوں سے فائق کر دیا جن سے ان کا میل ہوا۔

❁ مؤرخ اوکھلوٹ لکھتا ہے کہ اُصولِ شرع اسلام میں سے ہر ایک اصل کو دیکھیے تو فی نفسہٖ ایسی عمدہ اور مؤثر ہے کہ شارعِ اسلام کے شرف و فضیلت کو قیامت تک کافی ہے۔ اور ان سب اُصول کے مجموعے سے ایسا انتظامِ سیاست قائم ہو گیا جس کی قوت و متانت کے سامنے اور سب انتظام ہیچ ہیں۔ ایک شخص کی حینِ حیات اور وہ بھی ایسا شخص جو ایک جاہل، وحشی، تنگ مایہ اور کم ظرف قوم کے قابو میں تھا وہ شرع اُن ممالک میں شایع ہو گئی جو رومۃ الکبریٰ کی سلطنتِ قاہرہ سے کہیں عظیم و وسیع تھا۔ جب تک اس میں اس کی اصلی کیفیت باقی رہی اس وقت تک کوئی چیز اس کا مقابلہ نہ کر سکی[1] الخ۔

ایک تعلیم یافتہ ہندو کی رائے: مسٹر ایل۔ ایم۔ سوالے ایک تعلیم یافتہ اور وسیع الخیال ہندو

---

[1] منقول از المحمود دیوبند: جلد ا بابت ماہِ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ

مرہٹہ ہیں۔ انھوں نے ۱۹۲۴ء میں عراق اور ایران کا بھی سفر کیا ہے۔ فرقہ وارانہ ذہنیت اور مشترک انتخاب کے عنوان سے ان کا ایک قابلِ قدر مضمون مرہٹہ مؤرخہ ۱۴ر اگست میں شائع ہوا ہے، جس کے دوران میں وہ فرماتے ہیں کہ

''۱۹۲۴ء میں میں نے عراق اور ایران کی سیاحت کی تھی اور میں ترقی کی اس رفتار کو دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوا تھا جو ان اسلامی ممالک نے اس عرصۂ قلیل میں کی ہے اور کر رہے ہیں۔ جو مغربی اقوام کے ساتھ تعلّق اور میل جول ہوا ہے مجھے اس کا یقین ہے کہ اسلام پر تعصّبِ مذہبی کا جو الزام لگایا جاتا ہے وہ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ پیغمبرِ عربی ﷺ کا مذہب اپنے پیروؤں کے دل و دماغ پر ہرگز ایسے قیود نہیں عائد کرتا جو ان کی تہذیب و تمدن کی ترقی میں آگے بڑھنے اور دیگر اقوامِ عالم کے دوش بدوش ترقی کرنے میں مانع آئیں۔ ہندوستان سے باہر کی اسلامی حالت کا وسیع جائزہ لینے کے بعد جو جنگ عمومی کے اختتام کے بعد ظہور پذیر ہوا، مجھے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں ذرا بھی تأمل نہیں ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے اندر فرقہ وارانہ ذہنیت کی تنگ خیالی ہندو آبا و اجداد کے اثر اور ہندوؤں کی صحبت اور میل جول کا نتیجہ ہے''۔

ہندوؤں کا مسلمان ہونا جبر یہ نہ تھا: مسٹر گو بندرام کھنہ ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہندو اہلِ قلم لالہ لاجپت رائے کے انگریزی اخبار ''پیپل'' مؤرخہ ۸ر اگست میں ایک مضمون کے سلسلے میں ہندو جاتی کے معاشرتی نقائص اور کمزوریوں پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ہندوستان میں مسلمانوں کی تبلیغی کوششوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ

''یہ خیال کرنا غلط ہے کہ لاکھوں ہندوؤں کا اپنا آبائی مذہب ترک کر کے مذہبِ اسلام اختیار کرنا تمام تر مسلمان حکمرانوں اور مسلمان حملہ آوروں کے جبر و تشدّد کا نتیجہ تھا۔ مسلمان حملہ آوروں میں تبلیغِ مذہب کا جوش ضرور تھا اور انھوں نے بڑی تعداد جبراً مسلمان کی، لیکن گزشتہ آٹھ صدیوں میں لوگوں نے جو تبدیلِ مذہب کیا ہے ان سب کو محض جبر کا نتیجہ وسبب نہیں کہا جاسکتا۔ مسلمانوں کے سیاسی غلبہ و اقتدار کا تو سلطنتِ مغلیہ کی بربادی و تباہی پر عملاً خاتمہ ہو چکا تھا اور دکن و ممالکِ متوسط میں اور پنجاب میں سکھوں کو قوت حاصل تھی، لیکن بایں ہمہ تبدیلیٔ مذہب

کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا۔ یہ اگرچہ ناگوار اور دل آزار بات تو ضرور ہے مگر اس تلخ صداقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہندوؤں کا مذہبِ آبائی چھوڑ کر ایک مسلسل سرچشمہ کی حیثیت میں مذہبِ اسلام میں داخل ہونا اس کا سبب خود ہندوؤں کے نظامِ معاشرت کی فرسودگی اور مذہبِ اسلام کی قوتِ جذب و قبولیت رہا ہے۔ ہمیں اس مروّجہ خیال سے اپنے دل کو تسلی نہیں دینا چاہیے کہ ہندوؤں کا مذہبِ اسلام اختیار کرنا جبر اور تشدّد کا نتیجہ تھا۔ خود بینی انسان کا سب سے زیادہ مہلک دشمن ہے۔ میرے خیال میں بیوگی کی زندگی کا جبریہ رہنا، ہندوؤں کے مختلف طبقات میں معاشرتی مساوات کا نہ ہونا اور ان لوگوں کے ساتھ جن کو ہم نیچ ذات کے نام سے موسوم کرنا پسند کرتے ہیں، قریب قریب جانوروں کا سا اور وحشیانہ برتاؤ کرنا، ان سب باتوں نے لاکھوں ہندوؤں کو اسلام کے حلقے میں داخل کر دیا اور تاوقتیکہ حالات میں پوری تبدیلی نہ ہو جائے، مستقبل قریب میں اس تبدیلیٔ مذہب کے بجائے گھٹنے کے اور زیادہ بڑھنے کا امکان ہے"۔[1]

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ[2]

(یورپ اور امریکا کے بڑے بڑے محقّق اصحابِ فراست و لیاقت نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ حضورِ انور ﷺ کا درجہ اور مرتبہ دنیا کے بڑے بڑے لوگوں میں سب سے اونچا اور بلند ہے۔ اور عیسائی محققوں نے تو آپ کی تہذیب، دیانت، امانت داری، غریبوں پر رحم و کرم، مساوات بین الاقوام، انسانی صفات کا مکمّل نمونہ آپ کو مان لیا ہے۔ ان میں واشنگٹن اورنگ سر ولیم میور ڈاکٹر لٹیز، جان ڈیون پورٹ کے نام نامی قابلِ ذکر ہیں، جن کی تصانیف میں بہت شرح و بسط سے حضورِ انور ﷺ کا ذکر مبارک آیا ہے۔

ڈاکٹر اینی بسنٹ صاحب نے حضرت کی سوانح عمری نہایت شرح و بسط سے لکھی ہے۔ سکھوں کے گرو نانک صاحب نے بھی اپنی کتاب میں اسلام اور آں حضرت کو ذریعۂ نجات تحریر فرمایا ہے۔

---

[1] ہمدرد [2] بے شک بزرگی اور فضیلت وہی ہے جس پر دشمن اور اعدائے اسلام گواہی دیں۔

رسولِ کریم ﷺ ایک آریہ کی نظر میں

پروفیسر رام دیو صاحب بی۔اے سابق پروفیسر گروکل کانگڑی وایڈیٹر ویدک میگزین نے ایک لکچر میں جو لاہور آریہ سماج میں کچھ مدّت ہوئی، دیا تھا، بیان کیا: ”چھٹی صدی میں عرب کی اخلاقی حالت بہت خراب تھی۔ جب کوئی باشندہ مرجاتا تھا تو وہ اپنی عورتیں بہ طورِ ورثہ چھوڑ جاتا تھا، جس کے بعد اس کا بیٹا سوائے اس عورت کے جس کے پیٹ سے وہ پیدا شدہ تھا، باقی سب عورتوں کو اپنی بیویاں بنا لیتا تھا۔ علاوہ ازیں عارضی شادیاں بھی ہوتی تھیں۔ عرب قوم میں اتفاق کا نام ونشان نہ تھا، یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹا کرتے تھے۔ خیال تھا کہ یہ قوم کبھی اُٹھ نہیں سکتی، لیکن دنیا کی تاریخ میں یہ معجزہ ہوا کہ حضرت محمد (ﷺ) نے اس قوم میں جان ڈال دی۔

حضرت ﷺ نے انھیں سکھایا کہ بت پرستی چھوڑ دو اور ایک خدا کو مانو۔ شروع میں حضرت محمد ﷺ صاحب کے صرف ۳۰ معاون اور مددگار تھے۔ ان کی جاتی (قوم) قریش ان کی سخت مخالف تھی۔ یہاں تک کہ آخر کار انھیں مکّہ سے بھاگ کر مدینہ جانا پڑا، لیکن مدینہ میں بیٹھے ہوئے محمد صاحب نے ان میں جادو کی بجلی بھر دی۔ وہ بجلی جو انسان کو دیوتا (فرشتہ) بنا دیتی ہے۔ آں حضرت (ﷺ) نے یہ بجلی راجوں مہاراجوں میں نہیں بھری تھی، بلکہ تمام لوگوں میں۔ اور یہ غلط ہے کہ اسلام محض تلوار سے پھیلا ہے۔ یہ امرِ واقع ہے کہ اشاعتِ اسلام کے لیے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی گئی، اگر مذہب تلوار سے پھیل سکتا ہے تو آج کوئی پھیلا کر دکھائے“۔

محمد صاحب نے عرب میں کس قسم کا وشواش (یقین) بھر دیا تھا۔ اس کی ایک مثال سنیے:

”ایک غلام کو جو مسلمان ہو چکا تھا اُس کا آقا دھوپ میں بٹھا کر اور اس کی چھاتی پر پتھر رکھ کر پوچھا کرتا تھا کہ بتا تو محمد (ﷺ) کو چھوڑے گا یا نہیں؟ لیکن غلام صاف انکار کرتا ہے۔“[1] (اخبار ”پرکاش“)

---

[1] منقول از ”مشرق“ گورکھپور نمبر: ۵۰، جلد: ۲۱ مورخہ ۸/ ستمبر ۱۹۲۷ء

بہائی مذہب اور شریعتِ محمدیہ ﷺ

شریعتِ محمدیہ موجودہ زمانے کے مطابق اور ناقابلِ تنسیخ ہے۔ ایک حق پسند ہندو پنڈت پرشوتم صاحب دیوست دھاری کے قلم سے۔

"ہر مذہب کی شریعت کسی ہادی کو ضرورتِ زمانہ کے اعتبار سے دی گئی اور جب اقتضائے وقت میں تبدیلی ہوئی تو شریعت بھی تبدیل کر دی گئی۔ میرے نزدیک اس اقتضائے وقت کا بھی تعین ہے اور وہ قدرت کی ہر شے سے ثابت وعیاں ہے اور چوں کہ مذہب صرف نسلِ انسان ہی کے واسطے مخصوص ہے، اس لیے انسانی نسل کے واسطے چار دور مخصوص ہیں: یعنی رضاعت، طفلی، شباب اور کہولت۔ اور یہ چاروں باتیں ایسی ہیں کہ جس سے کوئی شے کائناتِ ہستی کی مستثنیٰ نہیں۔ نسلِ انسانی پر بھی چاروں زمانے آئے اور ہر زمانے کے مطابق اس حکیم مطلق نے نسلِ انسانی میں چار قسم کی شریعت اپنے انبیا کی وساطت سے بنی آدم کے لیے بھیجی اور چوں کہ محمدی دورِ شریعت کے سلسلے میں چوتھا اور آخری دور ہے، اس لیے اب کسی جدید شریعت کی گنجایش نہیں اور نہ ضرورتِ زمانہ کے اعتبار سے شریعتِ محمدیہ قابلِ ترمیم نظر آتی ہے۔

حضرت محمد (ﷺ) مثل انبیائے سابق کے کسی خاص قوم یا ملک کے لیے مبعوث نہیں ہوئے، بلکہ وہ رحمتِ عالمیاں جو مذہب لایا وہ دنیا کے لیے ہے اور اسی لیے ہر ملک وقوم کے طبائع کے لحاظ سے ایک مشترک اور عالم گیر شریعت دی گئی ہے اور کسی مذہب وملت کی شریعت ایسی نہیں ہے جس میں عالم گیر شریعت ہونے کی اہلیت ہو۔ ہاں! ایک مسئلہ سودِ اسلام کا ضرور ایسا ہے کہ بادی النظر میں قابلِ ترمیم نظر آتا ہے اور مسلمان بھی حرمتِ سود کی وجہ سے پریشان نظر آتے ہیں۔ بہائی اس پر یہ کہتے ہیں کہ مسلمان شریعتِ محمدیہ کی ترمیم کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ جس طور پر ہمیشہ احکامِ الٰہی کی ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی ہے اب بھی اسی طرح ہونا چاہیے، یعنی حضرت بہاء اللہ نے اس شرعی مسئلے میں جو ترمیم کی ہے وہ اقتضائے وقت کے لحاظ سے ہے اور چوں کہ دنیا اس کو قبول کرنے کے لیے مجبور ہے، پس بہاء اللہ کی نبوّتِ تشریعی ثابت ہے۔

(ردِّ بہائیہ) مذہب کو اگر مذہب سمجھا جائے اور اس کے اوامر ونواہی کو قابلِ یقین تصور کیا جائے تو اس کا ہر حکم واجب التعمیل ہے۔ اگر اس کے فوائد ونقصان ہماری فہم سے باہر ہوں

تو اس بنا پر وہ حکمِ مذہب ردّ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم جب بیمار ہوتے ہیں حکیم و ڈاکٹر کا علاج کرتے ہیں، مگر صحت کے خیال سے کبھی یہ ضرورت نہیں سمجھتے کہ اپنے نسخے کے تمام اجزا کے خواص معلوم کر لینے کے بعد اگر ہماری رائے میں مفید ہوں تب استعمال کریں، اگر ہم ایسا کریں تو غالبًا ہر حکیم و ڈاکٹر ہماری حجّت کے باعث ہمارے علاج سے پرہیز کرے گا اور ہم شفا کے مقصد سے دور ہو جائیں گے، مگر کیا لطف کی بات ہے کہ اس حکیمِ مطلق نے نجاتِ اخروی کا جو نسخہ ہمارے واسطے تجویز کیا ہے ہم کو اس بنا پر اُس کے استعمال سے تأمّل ہے کہ اس کا فلاں جز ہمارے مفید نہیں، پس کیوں نہ کتابِ الٰہی کے نسخے سے علیحدہ کر دیا جائے یا اس میں ترمیم نہ کی جائے۔ اگر بہشت و دوزخ کی حقیقت ہے، اگر بعد از مرگ محاسبۂ اعمال و وعید صحیح ہے اور نجاتِ دائمی کچھ اصلیت رکھتی ہے، تب فوائدِ دنیاوی اور اسبابِ معیشت کی فراوانی کا خیال ہی عبث ہے۔ اور جو انسان احکامِ مذہبی کا پابند اور کتاب اللہ پر مضبوط ایمان رکھتا ہے وہ دنیاوی ساز و سامان کی طرف کبھی دیکھتا بھی نہیں، مگر چوں کہ ایسے انسان ہر زمانے میں قلیل رہے ہیں، اب ضرورت طبقۂ کثیر کے افہام کے مطابق بھی کچھ انکشاف کرنے کی ہے اور جس میں ہمارے دوست ایڈیٹر کوکب ہندو اُن کے ہم خیال بھی شامل ہیں۔ اس لیے ہم انھیں آگاہ کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم (ﷺ) کے دورِ بعثت میں بھی انسانوں کے دو طبقے تھے: ایک دولت مندوں کا اور ایک غُربا کا۔ غُربا اپنی ناداری کے باعث دولت مندوں کی اعانت اور دست گیری کے محتاج تھے اور دولت مندوں کی سود خوری کی یہ کیفیت تھی کہ وہ غُربا کے ہاتھ میں کبھی پیسہ رہنے نہیں دیتے تھے اور جب افلاس کی حد ہو جاتی اور ان سے کچھ وصول نہ ہوتا تو آخر میں دائن اپنے مدیون کی بچیوں پر بھی قبضہ کر لیتا، اگر کسی اخلاق اور مذہب میں دولت مندوں کی یہ چیرہ دستی روا رکھی گئی ہے تب تو حقیقتاً کوکب کا یہ خیال صحیح ہے کہ جس بدعت کو رسولِ اکرم روحی فداہ نے مٹایا اب پھر اس کے زندہ کرنے کی ضرورت ہے اور اگر اخلاقِ انسانی آج بھی اُس کا متحمل نہیں ہے تو اسلام کا یہ حکم آخری اور ناقابلِ تغیّر ہے۔ مذہبِ الٰہی جس طرح دولت مندوں کی حالت کو درست کرتا ہے اسی طرح غُربا کی بھی دست گیری واصلاح و فلاح اس کا مقصد ہوتا ہے، بلکہ اَنبیا کی صف سے علیحدہ ہمیشہ صاحبِ ذکا و فہم نے معاشرتی زندگی کے فرق و مراتب کو مٹانے کی کوشش کی اور انبیائے بنی اسرائیل میں تو ہر نبی کا

یہی نصب العین رہا ہے اور جناب مسیح علیہ السلام تو اس قدر بلند آہنگی کے ساتھ غُربا کے حقوق کا مطالبہ کرتے تھے کہ انھوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ

''آسمان کی بادشاہت صرف غریبوں کے لیے ہے اور اس میں دولت مندوں کا داخل ہونا اس سے زیادہ دشوار ہے جتنا اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں داخل ہونا''۔

مذہبِ اسلام نے تمام ایسی بُرائیوں کا انسداد کیا ہے جو انسانی اخلاق کے لیے ضرر رساں ہیں۔ راشی اور مرتشی پر اس لیے لعنت بھیجی گئی کہ راشی سے انسانی ہمدردی اُٹھ جاتی ہے اور راشی کبھی دوسرے انسان کا کام خلق و مروّت کی بنا پر جو خاص جوہرِ انسانیت ہے، نہیں کرتا۔ اس طرح سود خور انسان بغیر سود کی اُمید کے روپیہ دے کر اعانت و دست گیری نہیں کرتا۔ اس کی نظر ہمیشہ غُربا کے مال پر رہتی ہے اور جس انسان میں اپنی نوع سے ہمدردی نہ ہو وہ صفتِ اخلاقِ انسانی سے معرّی ہے۔ اور اسلام نے سود کا جواز تو کیسا، اس کے بالمقابل مسئلۂ زکاۃ قائم کیا کہ ہر سال دولت مندوں کی جیب سے ایک کثیر رقم غُربا کی اعانت و دست گیری میں صَرف ہوتی ہے تا کہ دولت مند و غُربا کے درمیان کامل اخوت و ہمدردی رہے اور وہ کسی وقت دولت مندوں کی تباہی و بربادی یا منافرت پر آمادہ نہ ہوں۔ جو لوگ سود کے حامی ہیں وہ دراصل دولت مند فرقے کی طرف نظر کرتے ہیں، جو افراد کا غلام بنانا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے اور اس دولت مند فرقے کی یہ کیفیت ہے کہ اس نے اخلاق و عقائد سے معرّی ہو کر صرف اپنی ذات کو اپنا مطمحِ نظر بنالیا ہے اور اپنی زندگی کو جہاں تک ممکن ہو عیش و تنعّم میں بسر کرنا چاہتا ہے اور چوں کہ یورپ میں اس کی فراوانی ہے، اس لیے زر طلبی کی خواہش بھی بہ درجۂ اتم پہنچ گئی ہے، جس سے عام اخلاقی انحطاط پیدا ہو گیا ہے اور جس کا بدترین نتیجہ یہ نکلا ہے:

''دولت مند طبقے نے دنیا کے سامنے کوئی اچھا اخلاقی نمونہ پیش نہیں کیا، بلکہ تمام اخلاقی پابندیوں سے آزادی حاصل کرلی ہے اور فرض اور وطنیت کو ایک تمسخر انگیز چیز سمجھنے لگا ہے۔ اس کا صرف یہ کام ہے کہ جب روپیہ ہاتھ آئے ذلیل ترین شہوانی لذائذ میں بے دریغ صَرف کردے''۔[1]

---

[1] از معارف

پس اگر حضرت بہاء اللہ یا ان کے متبع کو کبِ ہند وغیرہ اجرائے سود کے مؤید ہیں جس سے یہ بیماری اور زیادہ ہو جائے جو اخلاقاً مذموم تر ہے، تو اس سے نہ تو بہاء اللہ کی نبوت ہی ثابت ہوتی ہے اور نہ کلامِ الٰہی میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ لازم آتی ہے۔ حمایتِ سود دراصل سرمایہ داری کی اعانت ہے۔ سرمایہ داری کی بُرائی سے دنیا رفتہ رفتہ واقف ہوتی جاتی ہے، مگر اسلام نے تیرہ سو سال قبل دنیا میں سرمایہ داری کی مخالفت کر کے اپنے آسمانی مذہب ہونے کی صداقت کی مہر ثبت کر دی ہے۔ روس میں فرقہ بالشویک کی پیدائش کا سبب بھی سرمایہ داری کی چیرہ دستی ہوئی اور متمدن دنیا میں ایسے اصحاب پیدا ہو گئے ہیں جو دنیا سے سرمایہ داری کو مٹانے کی فکر میں ہیں۔ چناں چہ ''میسولینی'' کے تازہ حکم سے سودی کاروبار کرنے والوں کو دشمن ملک کی صفت میں شمار کیا گیا ہے اور ملک کے ہر مشہور شہر میں خاص عدالتیں ایسے اشخاص کے انسداد کے لیے قائم کی گئی ہیں۔ روم فلورمینس اور ملان میں ایک کثیر تعداد سود خوار اشخاص کی سزایاب ہوئی ہے اور جو سزائیں دی گئی ہیں ان میں ملک بدر ہونے کی بھی سزا ہے، اگر اس سے سود کا انسداد نہ ہوا تو ملک کے جملہ بینک جو سودی کاروبار کرتے ہیں توڑ دیے جائیں گے۔[1]

اب ظاہر ہے کہ بہاء اللہ کا شریعتِ خداوند کے خلاف حلّتِ سود کا اعلان کرنا خود بہاء اللہ کی غلطی ہے، نہ کہ شریعت کی منسوخی۔ ورنہ یوں ہر شریعت کے خلاف اکثر انسانوں کے اقوال کچھ نہ کچھ ہر جگہ ملتے ہیں، تو کیا ان کے مقابلے میں شرعی احکام منسوخ قرار دیے جا سکتے ہیں؟ اگر بہائیوں کے خیالات شریعتِ خداوندی کے خلاف ہیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ضروریاتِ زمانہ کسی شریعت کی تنسیخ کی محتاج ہیں۔ حضرت بہاء اللہ کو اپنے معین و انصار پیدا کرنے کی ضرورت تھی، لہٰذا انھوں نے دولت مند فرقے کو خوش کرنے کے لیے حلّتِ سود کا اعلان کیا۔

اے کاش کہ حضرت بہاء اللہ فرقۂ غُربا کی بے کسی کا خیال کرتے اور دنیا میں مظالم سرمایہ کو ملحوظ رکھتے تو اُن کو ہرگز حلّتِ سود کے اعلان کی ضرورت نہ ہوتی۔ ایک نبی کی شان سے بعید ہے کہ وہ سرمایہ داری کی اعانت کرے اور سرمایہ دار جماعت کے ظلم سے غُربا کی رست گاری نہ کرے الخ۔

---

[1] از اخبار لیڈر: ۸؍جون ۱۹۲۷ء

اسلام اور عُلمائے فرنگ: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر چند نامور محقّقینِ یورپ اور مشہور مستشرقین کے خیالات درج کیے جائیں جوانھوں نے مختلف مواقع پر اسلام اور قرآنِ پاک کے متعلق ظاہر کیے ہیں، تا کہ متلاشیانِ حق پر اسلام کی حقانیت اور قوت کا سکّہ بیٹھ جائے۔

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ: ڈاکٹر مورلیس[1] اپنے ایک مضمون میں جو لا بارول فرانس رومان میں شایع ہوا تھا، لکھتے ہیں کہ

''قرآن کیا ہے؟ قرآن کی اگر کوئی ایسی تعریف ہوسکتی ہے جس میں کسی طرح کا نقص نہ نکل سکتا ہو تو وہ اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ وہ عظیم الشان فضیلت جس پر تیس کروڑ (چالیس کروڑ) انسان فخر کررہے ہیں، وہ یہی ہے کہ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے، بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لیے جو کتابیں تیار کی ہیں ان سب میں یہ بہترین کتاب ہے۔ اس کے نغمے انسان کی خیر وفلاح کے متعلق فلاسفۂ یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں، اس میں آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے کی حمد وثنا بھری ہے، خدا کی عظمت سے اس کا حرف حرف پُر ہے، جس نے کہ یہ چیزیں بنائی ہیں، اور ہر ایک چیز کی اس کی استعداد کے مطابق راہ نمائی کی ہے۔ قرآن عُلما کے لیے ایک علمی کتاب، شائقینِ لغت کے لیے ذخیرۂ لغات، شعرا کے لیے عروض کا مجموعہ اور شرائع وقوانین کا ایک عام انسائیکلوپیڈیا ہے، جو تمام آسمانی کتابوں سے، جو حضرت داود علیہ السلام کے زمانے سے جان تالموس کے عہد تک نازل ہوئیں، کسی ایک نے اس کی ایک ادنیٰ سورت کا بھی مقابلہ نہ کیا، یہی سبب ہے کہ مسلمانوں کے اندر اعلیٰ طبقے کے لوگوں میں جس قدر علم بڑھتا جاتا ہے، اور حقائق پر عبور ہوتا ہے اسی قدر قرآن کے ساتھ بھی ان کا تعلق بڑھتا جاتا ہے، اس کی تعظیم میں زیادتی ہوتی ہے، اس کے عجائبات کے ساتھ ان کی دلچسپی ترقی کرتی جاتی ہے، آیات کا اقتباس کرتے ہیں، کلام کی آرایش ان آیتوں سے

[1] یہ ایک فرانس کا مشہور اہلِ قلم ہے، جو علومِ عربیہ میں کافی ماہر تھا، اس نے حکومتِ فرانس کے حکم سے قرآنِ کریم کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

بڑھاتے ہیں۔ جس قدر اُن کا پایہ رفیع ہوتا ہے اور خیالات میں شستگی اور شگفتگی ہوتی ہے اسی قدر اپنی رائے اور خیال کا مدار آیاتِ قرآنی کو ٹھہرانے میں کوشش کرتے ہیں۔

ان لوگوں کے سینے قرآن کی محبّت سے معمور ہیں، دل سے اس کو مقدس مانتے ہیں، دوسری قوموں کو جو کتابیں یا شریعتیں ملی ہیں اُن کی نسبت نہ اُنھیں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے نہ رشک آتا ہے، اس لیے کہ وہ دیکھ چکے ہیں کہ رشکی کتابیں ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت انھیں سارے جہان کی فصاحت و بلاغت سے بے نیاز بنائے ہوئے ہے۔ یہ واقعی بات ہے اور اس کی واقعیت کی دلیل یہ ہے کہ بڑے بڑے انشا پردازوں اور شاعروں کے سر اس کے آگے جھک جاتے ہیں۔ اس کے عجائبات جو روز بروز نئے نکلتے آتے ہیں اور اُس کے اسرار جو کبھی ختم نہیں ہوتے۔ مسلمان شعرا اور نثّاران کو دیکھ کر سجدہ کرنے لگتے ہیں۔ قیامت تک کے لیے اس کو سرمایۂ ناز جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ فصیح کلام اور دقیق معانی کا یہ ایک بحرِ موّاج ہے"۔

❁ ڈاکٹر موریس ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "کوئی چیز عیسائیانِ روم کو اس ضلالت و غوایت کی خندق سے جس میں وہ گرے پڑے تھے، نہیں نکال سکتی تھی، بجز اس آواز کے جو سرزمینِ عرب میں غارِ حرا سے آئی۔ اعلائے کلمۃ اللہ جس سے یونانی انکار کرتے جاتے تھے، اسی آواز نے دنیا میں کیا اور ایسے عملی پیرایہ میں کیا جس سے بہتر ممکن نہ تھا۔ اور ایک ایسا سیدھا سادا اور پاک وصاف مذہب دنیا کو سکھایا جس میں بقول فاضل محقق گاڈفری ہگنس[1] نہ پاک پانی ہے نہ تبرک، نہ صورت نہ تقریر، نہ سینٹ اور نہ خدا کی ماں سے اس پر داغ لگتا ہے، اور نہ ایسے مسائل اس میں ہیں کہ ایمان بدون عمل کے مؤثر ہو اور نزع کے وقت کی توبہ کام آئے اور غایت درجے کی عنایات اور مغفرت اور خفیہ اقرار کارآمد ہوں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس دین کے پیروؤں کو بگاڑ دیں اور پھر مقتداؤں کے حوالے کر دیں جو فی الحقیقت ان مسائل سے بھی بدتر اور ناچیز بات ہے"۔

❁ ریورنڈ جی۔ ایم۔ راڈویل: جو ایک متعصب پادری ہیں، لکھتے ہیں: "(قرآن کی

[1] یہ سب باتیں عیسائی مذہب میں اب تک موجود ہیں، رومن کیتھولک فرقے کے مذہب کی بنیاد ہی ایسی باتوں پر ہے۔

تعلیم سے) عرب کے سیدھے سادے خانہ بدوش بدّو ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کردیا ہو۔ وہ سلطنتوں کے قائم کرنے والے، ملکوں کے فاتح، شہروں کے بسانے والے، علمی ذخیروں اور کتب خانوں کو جمع کرنے والے ہوگئے۔ اُن کی قوت وعظمت وسطوت و جبروت فسطاط وبغداد، قرطبہ اور دہلی وغیرہ سے ایسی ظاہر ہوئی کہ عیسائی یورپ کو اپنی ہیبت وشوکت سے کپکپا دیا اور اس میں ایک تہلکہ ڈال دیا۔ بت پرستی مٹانے، جنات اور مادیات کے شرک کے عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے، اطفال کشی کی رسم کو نیست و نابود کرتے، بہت سے توہّمات کو دور کرنے، اور ازواج کی تعداد کو کم کرکے اس کی ایک حد معیّن کرنے میں قرآن بے شک عربوں کے لیے موجبِ برکت وفلاح تھا''۔

❁ ریونڈ آر۔ میکسویل کنگ اپنی تقریر ''دینِ اسلام'' کے اندر جو انھوں نے ۱۷ رجنوری ۱۹۱۵ء کو قدیم پریسی ٹیریر چرچ نیوٹو نارڈز میں کی تھی، بیان کرتے ہیں: ''اسلام کی جمہوری تعلیم ایک حصّہ عورتوں کے متعلق بھی ہے، قرآن میں جہاں کہیں عورتوں کا ذکر آیا ہے تعلیمی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ماں کے ساتھ محبّت رکھنے اور اس کی تعظیم کرنے اور بیوی کے ساتھ محبّت وشفقت کرنے پر پورا پورا زور دیا گیا ہے۔ پیروانِ اسلام کا حسنِ اخلاق قابلِ تعریف ہے۔ ان کا طرزِ عمل خدا کے احکام کے تابع ہے۔ تسلیم و رضا یعنی اپنے تمام امور خدا کے سپرد کردینا مسلمانوں کی مذہبی زندگی کی ایک لازمی شرط ہے۔ جو مذہب رضائے الٰہی پر راضی رہنے کی ایسی عمدہ تعلیم دے اس کے پیرو یقیناً صداقت دوست، انصاف پسند، دادوستد کے کھرے اور عہد کے پکے ہوں گے۔ یہ قرآن سے ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر ہم اس کے برخلاف ثابت کرنا چاہیں تو ہماری اپنی عقل ہی انکار کردے گی۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ قرآن محمد (ﷺ) کی تصنیف ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب توریت اور انجیل وغیرہ سے لیا گیا ہے، مگر میرا ایمان ہے، اگر الہامی دنیا میں الہام کوئی شے ہے اور الہام کا وجود مکمّل ہے تو قرآن ضرور الہامی کتاب ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام سچے نبی نہ تھے اور قرآن اُن کی ذاتی تصنیف ہے۔ اگر یہ ہو تو محمد (ﷺ) کو ایسی کتاب کی کیا ضرورت پڑی تھی کہ اپنے کو خود ہی ملامت کرتے اور پھر اس سرزنش کو قرآن میں رہنے بھی دیتے''؟

❁ مسٹر ڈیون پوڑٹ: اپنی کتاب موسومہ ''محمد اینڈ قرآن'' میں کہتے ہیں: ''قرآن عالمِ اسلامی کا ایک مشترکہ قانون ہے۔ یہ معاشری، ملکی، تجارتی، فوجی، عدالتی اور تعزیری معاملات پر حاوی ہے، لیکن بایں ہمہ ایک مذہبی ضابطہ ہے۔ اس نے ہر چیز کو باقاعدہ بنایا ہے۔ مذہبی رسوم سے لے کر حیاتِ روزمرہ کے افعال مثلاً: روحانی نجات سے لے کر جسمانی صحت، اجتماعی حقوق سے لے کر انفرادی حقوق، شرافت سے لے کر دنائت اور دنیوی سزا سے لے کر اخروی عقوبت تک تمام اُمور کو سلکِ ضابطہ میں منسلک کردیا ہے''۔

اور ایک جگہ لکھتے ہیں: قرآن کے بے شمار اوصاف میں سے دو زیادہ واضح ہیں:

اوّل وہ ہیبت و احترام کا لہجہ جو اس خالقِ اکبر کے متعلق ہر جگہ اس میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جس کی طرف کوئی انسانی کمزوری اور خواہش منسوب نہیں کی گئی۔

دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں اوّل سے آخر تک غیر فصیح، مخربِ اخلاق اور نامناسب خیالات، محاورات اور حکایات کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا۔ یہ تمام خرابیاں افسوس ہے کہ اس کتاب میں بہ کثرت موجود ہیں جس کا نام پیروانِ مسیح نے ''عہدِ قدیم'' رکھا ہے۔

❁ انگلستان کے نامور مؤرخ ڈاکٹر گبن اپنی مشہور تصنیف ''سلطنتِ روما کا انحطاط وزوال''[1] کی جلد ۵ باب: ۵۰ میں لکھتے ہیں: ''قرآن کی نسبت بحرا ٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح اور قانونِ اساسی ہے۔ اور صرف اصولِ مذہب ہی کے لیے نہیں بلکہ احکامِ تعزیرات، تمدن اور اُن قوانین کے لیے بھی ہے جن پر نظامِ عالم کا مدار ہے، جن سے نوعِ انسانی کی زندگی وابستہ ہے اور جن کو حیاتِ اجتماعی کی ترتیب و تنسیق سے تعلق ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کی شریعت سب پر حاوی ہے۔ وہ اپنے تمام احکام میں بڑے سے بڑے شہنشاہ سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے فقیر و گدا تک کے لیے مسائل رکھتی ہے۔ یہ وہ شریعت ہے جو ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی''۔

---

[1] دی ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر

❁ جان جاک ریسک جرمنی کے ایک مشہور فلاسفر ہیں، جنھوں نے مقاماتِ حریری، تاریخ ابوالفدا اور معلقہ طرفہ وغیرہ کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''بعض لوگ تھوڑی سی عربی سیکھ کر قرآن کا تمسخر اُڑاتے ہیں، اگر انھیں اپنی خوش نصیبی سے کبھی یہ موقع حاصل ہوتا کہ محمد (ﷺ) اپنی فصیح زبان اور موٴثر لہجہ میں قرآن کی کوئی سورت پڑھ رہے ہوں، جس کا قلوب پر بجلی کا سا اثر پڑتا اور جب کسی آیت کے متعلق یہ احتمال ہوتا کہ سامعین اس کے حقیقی مفہوم تک رسائی نہیں حاصل کر سکیں گے تو اپنی معجزنما قوتِ بیان سے اس کی توضیح فرما دیتے تو یقیناً یہ شخص بے ساختہ سجدہ میں گر پڑتا۔ اور سب سے پہلے آواز اُس کے منہ سے یہ نکلتی کہ

پیارے رسول! علیك الصلاة و السلام، میرا ہاتھ پکڑ لیجیے اور مجھے اپنے پیروؤں میں شامل کرنے کی عزت وافتخار سے مشرف کرنے میں دریغ نہ فرمائیے''۔

❁ موسیوا جین کلائل بیان کرتے ہیں کہ ''قرآن مذہبی قواعد و احکام ہی کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اس میں وہ اجتماعی اور سوشل احکام بھی موجود ہیں جو بنی نوعِ انسان کی زندگی کی ہر حالت میں مفید ہیں۔ اس میں تمدن کے قوانین جن میں دنیا کی مختلف اقوام کے درمیان تعلق و رابطے کا سلسلہ قائم ہو جائے، موجود ہیں۔ پیغمبرِ اسلام (ﷺ) اس وسیع نظام کو تمام دنیا کی قوموں میں جو پھیلانا چاہتے تھے اس سے ان کا مقصدِ اعظم یہ تھا کہ اس کے قبول کرنے والوں کو مادی ترقی کا بلند ترین درجہ حاصل ہو اور دنیا کی مختلف اور متفرق قومیں اسلام کے علم کے نیچے جمع ہوں۔ حیرت ہے کہ ایسا ملکی و تمدنی نظام جس کی بنیاد کامل اور سچی آزادی پر ہے، کس طرح قائم ہو گیا۔ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ پیغمبرِ اسلام (ﷺ) اُمی تھے، آپ نے نہ تو یونان ہی کا فلسفہ پڑھا تھا، نہ قدیم آرمینیا سلطنتوں کے قوانین واحکام سے واقف تھے، اس لیے وہ دقیقِ مسائل جو قرآنِ کریم میں کھول کھول کر بیان کیے گئے ہیں، جن پر یورپ کے ممتاز ترین مقنّن وحکما سر دُھنتے ہیں، ایک ایسے دماغ میں کیوں کر پیدا ہو سکتے تھے جن کو اپنی چالیس سالہ زندگی میں کبھی سابقہ حکومتوں کے قوانین کے مطالعے کا موقع نہ ملا ہو؟ ایک صدی کے اندر بقولِ ٹامس کارلائل سرزمینِ عرب کے ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی جو ہوگئی، گویا وہ

ایک چنگاری تھی جس نے بھک سے اُڑ جانے والی بارود کی طرح اُٹھتے ہوئے شعلوں سے دہلی سے غرناطہ تک روشن کر دیا۔ یہ ایک ایسا زبردست نظام تھا جو ایک صدی کے اندر ساری دنیا پر چھا گیا اور جس کے قوانین وضوابط کے لوہے کو آج دنیا باایں ہمہ ترقی علم وحکمت ماننے پر مجبور ہے''۔

❁ سراڈ منڈ برگ پکار رہے ہیں کہ ''اسلامی قانون ایک تاج دار سے لے کر ادنیٰ ترین افرادِ رعایا تک کو حاوی ہے۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جو معقول ترین علم وادراک پر مشتمل ہے اور جس کی نظیر اس سے پہلے پیش نہ کی جا سکی تھی''۔

❁ مشہور علامہ جو ایکیم دی بوائف چلا رہے ہیں کہ ''اقوامِ یورپ کو اس بارے میں مسلمانوں پر رشک ہونا چاہیے۔ اسلامی تعلیم کی بہتری، فضیلت ومنزلت بالکل روشن ہے، وہ ایک کامل مذہب ہے اور اس کی تعلیم بالکل خالص۔ اگر اسلامی تہذیب کی روشنی دنیا میں جلوہ گر نہ ہوتی تو ہماری کیا کیفیت ہوتی؟ اس احسان مندی کے لحاظ سے دنیا پر واجب ہے کہ پیغمبرِ اسلام نے تہذیب وتمدن کا جو حیرت انگیز اثر دنیا پر ڈالا ہے اس کو کبھی فراموش نہ کرے''۔

❁ پروفیسر باسورتھ سمتھ ایم۔ اے۔ اپنی کتاب (محمد اور دینِ محمدی) میں ببانگِ دہل یہ منادی کر رہے ہیں کہ ''اگر یہ سوال کیا جائے کہ دنیا کو مسیحی مذہب نے زیادہ فائدہ پہنچایا یا اسلام نے؟ تو کہنا پڑے گا کہ اسلام نے۔ اگر محمد (ﷺ) کو قریش ہجرت سے پہلے خدانا خواستہ شہید کر دیتے تو مشرق ومغرب دونوں ناقص وناکارہ رہ جاتے۔ اگر آپ دنیا میں نہ آتے تو دنیا کا ظلم بڑھتے بڑھتے اس کو تباہ کر دیتا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو یورپ کے تاریک زمانے دو چند بلکہ سہ چند تاریک ہو جاتے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو انسان صحراؤں میں پڑے بھٹکتے پھرتے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو عیسائی دنیا اُجڑ جاتی۔

جب میں آپ کی صفات اور تمام کارناموں پر بہ حیثیتِ مجموعی نظر ڈالتا ہوں کہ آپ کیا تھے اور کیا ہو گئے؟ اور آپ کے تابع دار غلاموں نے جن میں آپ نے زندگی کی رُوح پھونکی تھی، کیا کیا کارنامے دکھلائے؟ تو مجھے آپ سب سے بزرگ و برتر اور اپنی نظیر آپ دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے ابتدا سے انتہا یعنی بعثت سے لے کر دار البقا تک خود کو صرف نبی ہی

دکھلایا۔ اور اس سے انچ بھر خود کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ میں یہ اعتقاد کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ نہایت اعلیٰ درجے کے فلاسفر، سائنس دان اور فضلائے عالی دماغ اور عیسائی ایک دن بالاتفاق اس کی تصدیق کریں گے "بلاشک وشبہ حضرت محمد (ﷺ) خدا کے رسول تھے"۔

❁ محقق جے جے پول اپنی کتاب "اسلام پر ایک نظر" میں یوں لکھتا ہے کہ "جہاں دنیا اسلام، پیغمبرِ اسلام (ﷺ) کی اور شعبوں میں اس قدر رہینِ منت ہے وہاں اس میں بھی ممنونِ احسان ہے کہ انھوں نے قرآنِ کریم کے ذریعے علم وادب میں ایک جدید طرز کی بنیاد ڈالی اور اعلیٰ حقائق کے مطالعے کا شوق پیدا کیا۔ تمام اہلِ علم اس بات پر متفق ہیں کہ قرآنِ کریم اپنی خوبیوں کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز کتاب ہے۔ اور گزشتہ کئی سال میں نے غور سے جو اس کا مطالعہ کیا ہے تو اس کی بلاغت، الفاظ کی شان وشوکت اور مضمون کی شاندار روانی سے حیران رہ گیا ہوں۔ بلاشبہ کلامِ پاک کی مہتم بالشان بلاغت اور خیالات کی بلند پروازی نے ممالکِ اسلام کی تمام تصانیف مابعد پر بے انتہا اثر ڈالا ہے۔

❁ مشہور روسی فلاسفر کاونٹ ٹالسٹائی کے الفاظ ملاحظہ ہوں: "نبی محمد (ﷺ) ان عظیم الشان مصلحین میں سے ہیں جنھوں نے اتحادِ اُمم کی بڑی خدمت کی ہے۔ ان کے فخر کے لیے یہ بالکل کافی ہے کہ انھوں نے ایک وحشی قوم کو نورِ حق کی جانب ہدایت کی اور اس کو ایک امن وصلح پسند اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے والی قوم بنا کر اس کو خون ریزی اور انسانی قربانی سے روکا۔ اور اس کے لیے ترقی وتہذیب کے راستے کھول دیے اور پھر یہ کہ اتنا بڑا کام صرف ایک فردِ واحد کی ذات سے ظہور پذیر ہوا"۔

❁ مسٹر ڈی رائٹ مشہور نامہ نگار انگلستان لکھتا ہے: محمد (ﷺ) صرف اپنی ذات اور قوم ہی کے لیے نہیں، بلکہ دنیائے ارضی کے لیے ابرِ رحمت تھے۔ آپ نے مدتوں مساعدت کا سلسلہ جاری رکھا اور سرتوڑ کوشش کی کہ ذات پات کا تفرقہ مٹ جائے، اور یہی سبب ہے کہ آج اسلام کے اندر ذات، نسل اور قوم کے امتیاز کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ دشمنانِ احمد باوجود تعصّب میں اندھے ہونے کے اس کے اقرار پر پابہ زنجیر ہیں کہ اس نے اپنے مشن کو

پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں جس نے احکامِ خداوندی کو اس مستحسن طریقے سے انجام دیا ہو کہ محمد (ﷺ) نے اپنے فرائض کو بوجوہِ احسن پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار آرا ہیں جو بہ خوفِ طوالت درج نہیں کی گئیں۔ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کیا جاوے تو ایک مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے''۔

تعدّدِ ازواج اور انبیائے سابقین

❁ مسٹر ڈیون پورٹ اپنی کتاب میں بائیبل کی بہت سی آیتوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ان آیتوں سے پایا جاتا ہے کہ تعدّدِ ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں، بلکہ خاص خدا نے اس میں برکت دی ہے۔

❁ پادری فکس صاحب مشنری لکھنؤ اپنی کتاب موسومہ ''اصلاحِ سہو'' مطبوعہ ۱۸۷۰ء کے ۲۶ میں لکھتے ہیں:

تعدّدِ ازواج کے مقدمے میں ہم بے تردّد تسلیم کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بھی اس دستور نے رواج پایا تھا اور خدا نے بھی اس کو منع نہیں کیا، بلکہ ان کو برکت کا وعدہ کیا جو اس پر چلتے ہیں۔

❁ جان ملٹن جو تعدّدِ ازواج کا ایک مشہور حامی ہے، بائیبل میں سے بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ

علاوہ اس کے خدا نے ایک تمثیلی صورت (صحیفہ حزقیل کے باب ۲۳/۴ میں مسماتان اھولا اور اھولیا) سے اپنا نکاح کرنا ظاہر کیا ہے اور یہ ایک ایسا طرزِ بیان ہے کہ اس کو خداوند تعالیٰ بالتخصیص اس طوالت کے ساتھ ایک تمثیل میں بھی ہرگز اختیار نہ کرتا اور نہ درحقیقت ایسی بات کا مرتکب ہوتا۔ اگر وہ رسم جس کی دلالت اس سے ہوتی ہے فی نفسہٖ معیوب یا مذموم ہوتی، پس جس کا امتناع انجیل میں بھی کسی کو نہیں، وہ کیونکر معیوب یا مذموم خیال کی جاسکتی ہے؟ کیوں کہ انجیل میں اُن کی ملکی آئینوں میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں کیا گیا ہے جو انجیل سے پیشتر جاری تھے۔[1]

---

[1] لائف مؤلفہ جان ڈیون پورٹ۔ ص: ۱۵۸

❁ ایزک ٹیلر صاحب لکھتے ہیں: ''تعددِ ازواج ایک بڑا دقیق مسئلہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نہیں روکا اور داود علیہ السلام جس کا خدا کا سا دل تھا، اس کو عمل میں لایا۔ اور انجیل میں صاف طور سے ممنوع نہیں ہے''۔[1]

❁ مسٹر یا سورتھ سمتھ اپنی کتاب ''محمد اینڈ محمڈن ازم'' کے صفحہ: ۱۳۶ کے نوٹ میں لکھتے ہیں: ''آپ کی قریباً تمام شادیاں بیوگان سے ہوئیں، جو نہ تو اپنے حسن و جمال کی خاطر مشہور تھیں اور نہ ہی دولت مندی کے لحاظ سے، بلکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا''۔[2]

دنیا کا اعظم ترین انسان

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ داود آفندی مجاعض نامور عیسائی اہلِ قلم کی نظر میں دنیا کا اعظم ترین اور سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے صرف دس سال کے قلیل زمانے میں ایک محکم دین اور اعلیٰ درجے کا فلسفہ طریقِ معاشرت اور قوانینِ تمدن وضع کیے۔ قانونِ جنگ کی کایا پلٹ دی اور ایک ایسی قوم وسلطنت بنادی کہ وہ عرصہ دراز اور مدتِ مزید تک دنیا پر حکمران رہی۔ اور آج تک زمانے کا ساتھ دے رہی ہے اور لطف یہ ہے کہ وہ شخص باوجود ایسے عظیم ترین اور بے مثل کام کرتے کے محض ناخواندہ اور اُمی تھا۔ وہ مردِ گرامی اور اجلِ اعظم ''محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب قریشی عربی مسلمانوں کے نبی ہیں''۔

نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے عظیم الشان کام اور مقصد کی تمام ضرورتیں فراہم کردی ہیں جن کی وجہ سے ان کی اُمت اور پیروؤں کو اور اس سلطنت کو جس کا سنگِ بنیاد نبی ممدوح صلی اللہ علیہ وسلم ممدوح نے رکھا تھا دنیا دائم وقائم رہنے اور پھلنے پھولنے کے اسباب نہایت وفور کے ساتھ میسّر ہوئے، کیوں کہ اگر ایک مسلمان تمام باتوں سے قطع نظر کرکے اور اس کے اقوال کو چھوڑ کر فقط قرآن اور حدیثِ صحیح ہی کا مطالعہ اور ان کے احکام وہدایات کی سچی پابندی کرلے تو اُسے اپنے دین اور دنیا کے تمام اہم اُمور ان ہی میں مل جاتے ہیں اور وہ اپنی دونوں حالتوں کو بہ خوبی سدھار سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موصوف نے مسلمانوں کے لیے ایک کانفرنس بھی مقرّر کردی، جس کا سالانہ اجلاس ہر سال مکّہ (مکرمہ) میں ہوا کرتا ہے۔ حج کا صرف اسی پر فرض کیا جانا جس کو

[1] اخبار سینٹ جیمس گزٹ لنڈن مطبوعہ ۱۸/ اکتوبر ۱۸۸۷ء [2] منقول از ''العدل'' گوجرانوالہ مورخہ ۲۹/ اگست ۱۹۲۷ء

سواری اور سامانِ سفر کی استطاعت ہے اور غیر مستطیع کے ذمّے سے حج کو اتار دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ قوم کے مال دار اور ممتاز افراد سالانہ ایک جگہ مجتمع ہو کر اپنی سوسائٹی کے معاملات پر بحث اور اس کے سیاسی، مجلسی، اور باہمی اعانت و ہمدردی کے خیالات کو تازہ کریں۔ نبی (عربی ﷺ) نے ہر مسلمان پر زکاۃ فرض کر کے دریوزہ گری کا دفعیہ کر دیا ہے، اگر مسلمان اس صدقے کو مفروضہ پابندی سے ادا کرتے رہیں تو قوم میں محتاجوں کا کہیں وجود ہی نہ رہے۔

قرآن کا عربی زبان میں ہونا اور ہر مسلمان پر اُس کو عربی زبان ہی میں سمجھنے کی پابندی سے اس عظیم الشان نبی نے اسلام کی ایک جامع زبان مقرّر کر دی ہے، کیوں کہ اگرچہ تمام مسلمانوں پر خود براہِ راست عربی زبان حاصل کر کے قرآن کی فہم کا حصول لازمی نہیں، لیکن عُلما اور مجتہد اماموں پر تو ضرور واجب ہے اور اسی وجوب کو مسلمانوں کے لیے ایک عام زبان مقرّر کرنے کا ذریعہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

نبی (ﷺ) نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر افضل ہونے کا ذریعہ صرف پاک بازی اور خدا ترسی کو قرار دے کر افرادِ قوم کے لیے ترقی کرنے اور نام آور ہونے کا راستہ بنا دیا۔ اسلام کی حکومت اصل میں جمہوری حکومت تھی۔ مسلمان اپنے حاکم اور سردار کو خود ہی چن لیا کرتے تھے۔ جس کو خلیفہ کہتے ہیں۔ کچھ عرصے تک مسلمان اس طریقے کی پیروی کرتے رہے۔ چناں چہ خلافت کی بیعت اسی حاکم انتخاب کا ایک رمز اور جمہوری حکومت کا نشان ہے۔

نبی (عربی ﷺ) نے یہ کہہ کر کہ ”کسی عرب کو غیر عرب پر اور غیر عرب کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں“ غیر عرب آدمیوں کے لیے قبولِ اسلام میں آسانی پیدا کر دی۔ اور یہ ارشاد کر کے ”تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور جو شخص کنبۂ الٰہی کو زیادہ نفع پہنچائے وہی خدا کا پیارا ہے“ غیر مسلم اقوام کے لیے اسلامی ممالک اور حکومتوں میں بآرام زندگی بسر کرنے کا سامان کر دیا۔

نبی (عربی ﷺ) نے انسان کی خانگی پر بھی گہری نظر ڈالی اور شادی بیاہ کے معاملات، نسل بڑھانے اور ترکہ و میراث تقسیم کرنے کی ہدایتیں مرتب کیں، اور عورت کی شان بڑھا دی۔ معاملاتِ دنیاوی پر نظر فرما کر لوگوں کے کاروبار اور قصوں اور قضیوں کے فیصل کرنے کے قوانین وضع کیے اور حکمرانی کے آئین بنائے۔ انھوں نے سلطنت کے مالی صیغہ کو بھی نامکمّل

نہیں چھوڑا اور اس غرض سے بیت المال (خزانۂ عامرہ) کے قوانین وضع کیے۔

علم کی طرف ان کی توجہ بہت زیادہ مبذول تھی۔ انھوں نے علم و حکمت کو مؤمن کا گم گشتہ مال قرار دیا اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ علم ضرور طلب کریں، خواہ اس کے لیے انھیں اقصائے مشرق کا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اسی ہدایت کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے علم و ہنر کی ہر شاخ سے خوشہ چینی کی اور قصرِ علم و کمال کا کوئی دروازہ ایسا نہیں چھوڑا جس کو انھوں نے نہ کھولا ہو۔ مسلمانوں کے ایامِ عروج میں علم کو جو فروغ حاصل ہوا ہے دنیا اور دنیا کی تاریخ اس کی شاہد ہے اور رہے گی۔

پس کیا جس شخص نے یہ تمام کام کیے وہ دنیا کا اعظم ترین انسان نہیں ہے؟ ہے اور بے شک ہے۔[۱]

محمد ﷺ

عرب جہاں یہ پیدا ہوئے، فی الحقیقت ایک نئے طرز کی دنیا ہے۔ یہ ملک کچھ عجیب و غریب ہے، ہر چار طرف بالو ہی بالو نظر آتا ہے، دن میں تمازتِ آفتاب اور دھوپ کی ناقابلِ برداشت شدت و بادِ سموم کے جھونکے، رات میں بلند تاروں بھرا سرد آسمان، آدم نہ آدم زاد بجز ذات اللہ۔

یہاں کے باشندے شریف العادت، ذکی الحس، اور حد درجہ کے مہمان نواز ہیں۔ وہ باتیں بنانے والے نہیں ہیں، بلکہ خموشی کی صفت ان میں زیادہ ہے۔ سچائی کے نہایت سخت پابند ہیں۔ اعلیٰ درجے کے شاعر اور فصیح اللّسان ہیں اور دوسروں کو اپنے مقابلے میں عجمی کہتے ہیں۔ شجاع ہیں اور جری و سورما ہیں۔ یہاں بہت سے قبیلے ہیں، مگر ان سب میں سب سے اعلیٰ ممتاز اور سربرآوردہ قریش کا قبیلہ ہے۔ محمد (ﷺ) اسی ممتاز گھرانے میں پیدا ہوئے۔

آپ خدا کے بھیجے ہوئے سچّے نبی اور ریفارمر تھے۔ اور بے شک جس طرح خدا اپنے خصوصیات میں وحدہٗ لاشریک لہٗ تھے۔ جھوٹے ہیں وہ لوگ جو اس سچّے نبی کو معاذ اللہ! جھوٹے اور دوسری بے ہودہ باتیں کہتے ہیں۔ آپ نہایت غور و فکر سے ہر اُمور پر دور اندیشی

[۱] از اخبار عربی

کے ساتھ نظر ڈالنے والے تھے۔ آپ میں جاہ طلبی نہ تھی۔ آپ خاموش، عالی نفس، ذی وقار، متین اور سنجیدہ انسان تھے، بلکہ آپ ان ہی لوگوں میں سے تھے جن کے لیے متانت وسنجیدگی لازم اور ضروری شے ہے اور جو قدرت کی طرف سے خلوص کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ آپ کا قلبِ مبارک قدرت کے جمال وجلال سے ہمیشہ منور رہتا تھا۔ آپ نے ایک ایسے ریگستان میں نشو ونما پائی جہاں فطرت اور اپنے خیالات کے سوا کوئی دوسری اور چیز نہ تھی۔ آپ نے ابتدا ہی سے غور وفکر کرنا شروع کر دیا تھا۔ آپ کے ہم عصروں اور بزرگوں نے آپ کو امین کا معزز لقب دے رکھا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ آپ امین تھے بھی۔ آپس کے فسادات کے فیصلے کے لیے اکثر لوگ اسی نوجوان لڑکے کے پاس لاتے تھے۔ محمد (ﷺ) ہمہ تن سچے تھے، آپ بلا ضرورت کبھی نہیں بولتے تھے، لیکن جب بولتے تھے تو آپ کی گفتگو سے حکمت، دانائی، فراست وخلوص ٹپکتا تھا۔ متانت، امانت، اخوت اور خلوص بھی آپ کی خاص سیرت تھی۔ آپ ہر شخص حتیٰ کہ دشمنوں کے ساتھ بھی نہایت ملاطفت اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ آپ کے چہرۂ مبارک سے دور اندیشی اور دانائی، جلال ہر وقت ظاہر ہوتی تھی۔

جانشین دیانند جی مہاراج ایک ڈنڈے باز لیڈر کے ڈنڈے باز ذریات اور مالوی اینڈ کو کے ایجنٹ برادرانِ وطن سنو! ایک عیسائی اور نہایت متعصب باوجود تعصب اور زبردست ہٹ دھرمی کے کیا کہہ رہا ہے۔[1] تم ہی بتاؤ اور انصاف سے کہو ''کہ یہ جادو نہیں تو پھر کیا ہے؟''[2]

اسلام غیر مسلموں کی نظر میں

از قلم: مولانا محمد شفیع صاحب ناظم مدرسہ نوریہ انجمن تبلیغ انڈال (بنگال)

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ[3]

نمونے کے لیے صرف مسٹر گاڈفری منگیں اور پادری کینن آئزک صاحبان کے ایک

[1] اقتباس از لکچر داود مرقس [2] منقول از ''مشرق'' گورکھپور۔ مؤرخہ ۸؍دسمبر ۲۷ء [3] بے شک بزرگی اور فضیلت وہی ہے جس پر دشمن اور اعدائے اسلام گواہی دیں۔

ایک قول نقل کیے ہیں:

۱۔ بانیٔ اسلام نے مذہب کا اصل الاصول خدا کی وحدانیت اور عظمت کو قرار دیا ہے۔ رہبانیت اور خانہ نشینی کو موقوف کر کے بہادری اور جواں مردی قائم کی۔ جو صفتیں اس میں پائی جاتی ہیں اُن کو ادنیٰ درجے کی اقوام بھی سمجھ سکتی ہے۔ اہلِ اسلام نے ایک ایسی نظیر قائم کی ہے جس کی اگر ہم تقلید کریں تو ہمارے لیے بہت اچھا ہو الخ۔

۲۔ مسٹر کینن آیزک ٹیلر اپنی کتاب ''معیارِ حق'' میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''عیسائی مذہب میں اخلاق کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو بانیٔ اسلام کی تعلیم میں نہ پایا جاتا ہو۔ جب ایک فیلسوف اور حکیم مذہبوں پر غور کرتا ہے تو وہ دینِ اسلام کی خوبی و سادگی کو دیکھ کر دل ہی دل میں پشیمان ہوتا ہے کہ میرا مذہب ایسا کیوں نہ ہوا۔ حضرت ﷺ کا مذہب بہت سادہ اور حکیمانہ ہے'' الخ۔

مزید تشفّی کے لیے ایک ہندو پنڈت مسمّی جناب ہریرام صاحب جو اَب تک ہندو ہیں اور ایک بڑے سماج کے راہ نما ہیں، انھوں نے طلبِ حق کی بنا پر اور موجودہ شورش کے رفع کرنے کی خاطر اپنی تحقیق کو سوال و جواب کے پیرایہ میں ادا کیا ہے، ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

جناب پنڈت جی صاحب مذکور اخبار ''نئی دنیا'' روزنامہ کلکتہ مؤرخہ ۸ر نومبر نمبر ۱۳ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

خاک سار کو مذہبِ اسلام کی نسبت کوئی دعویٰ نہیں ہے اور نہ یہ دراصل اس قابل ہے کہ ایسے جامع علوم و فنون مذہبِ اسلام کی عزت کو اپنے قلم سے رقم کر سکے۔ ایسا تو وہی اشخاص بہ خوبی کر سکتے ہیں جو مذہبِ اسلام کے پیرو ہیں یا جو اس کے عالم ہیں۔ خاک سار محض طالبِ حق ہونے کی وجہ سے اس بھول کو بتاتا ہے جو عوام کی بدقسمتی سے اسلام کی نسبت لوگوں کے دل و دماغ میں قائم ہیں۔ اور خاک سار صرف اس لیے ایسا کرتا ہے کہ کسی دوسرے شخص نے اس کو سرانجام دینے کی جرأت نہیں کی اور چوں کہ ایسا کرنا باشندگانِ ہند کے لیے خاص طور سے ضروری ہے:

اوّل تو اسلام کچھ ایسے عمل سکھلاتا ہے جو غیر مسلم باشندگانِ ہند میں جس کا مروّج ہونا

ضروریات میں سے ہے اور جن پر اُن کی آئندہ سلامتی اور بہبودی منحصر ہے۔

دوسرے اسلام کی جانب جو غیر مسلم کے دل میں ہیبت اور نفرت ہے اور ناسمجھی کی وجہ سے جو کشیدگی پیدا ہوتی ہے اور اس سے فتنہ وفساد پیدا ہوتے ہیں، ان کا بہترین تدارک بجز انکشافِ اصلیت کے نہیں ہوسکتا۔ اکثر غیر مسلم اقوام مذہبِ اسلام کو ظالم، غیر منطقی اور برباد کن سمجھتی ہیں، لیکن حقیقت میں اسلام ظالم یا غیر منطقی نہیں ہے اور اگر وہ ایسا ہوتا تو قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ حق پرستوں کو کسی ناسمجھ کے غیر ذمّہ دارانہ فعل کو مذہبِ اسلام سے وابستہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ خلافِ انصاف ہے۔ اور مذہبِ اسلام ایسے فعل کا کسی طور پر ذمّہ دار نہیں ہوسکتا ہے۔ خودغرض اور ناسمجھ اشخاص ہر مذہب کی آڑ میں ناشائستہ حرکات کرتے رہتے ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم ہر دو کا فرض ہے کہ وہ مذہبِ اسلام کا بے تعصّبانہ اور غیر تعلّقانہ مطالعہ کریں اور مشاہدات کی مدد سے اس تعلیم اور ہدایات کی نسبت نتیجہ اخذ کریں، تب وہ اس کی صداقت کو جان سکتے ہیں۔ اگر مسلم، سنجیدہ اور قابل عُلما یا پروفیسران اپنے مذہبِ اسلام کے فلسفے اور ہدایات کی توسیع کرنے کو پسند فرماویں تو اسلام کی اعلیٰ خدمت کرسکتے ہیں، اور خلق کو بہت فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے ان کے مذہب کی لازوال تبلیغ ہوسکتی ہے۔ غیر مسلم بھی ایسے لوگوں کے وعظ اور لکچر کو خوشی سے عزت بخشیں گے، کیوں کہ اس سے دراصل ان کی عملی زندگی بہتر ہوجائے گی۔ میں نے عظمتِ اسلام کو محض اسلام کی صداقت کی غرض سے رقم کیا ہے، اس میں کوئی میرے پوشیدہ اغراض نہیں۔ ہاں! میں صداقت کا اظہار کرنا جہاں کہیں حقیقت کی نسبت غلط فہمی ہو، اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اور میری زندگی کے مشن کا بھی یہی مقصد ہے۔ میں جو کچھ رقم کرتا ہوں بغرضِ مباحثہ نہیں کرتا، میرا مطلب اسلام کی باریکیوں پر تشریح کرنا بھی نہیں، میں صرف ان چند باتوں کو رقم کرتا ہوں جو اکثر مباحثے میں رہتی ہیں یا جو دراصل مباحثے کے قابل ہیں۔ وہ چند باتیں یہی ہیں جو ذیل میں بہ شکلِ سوال و جواب تحریر کرتا ہوں:

سوال نمبر۱: کیا اسلام سچا مذہب ہے؟ اگر ہے تو کس طرح؟

جواب نمبر۱: اسلام سچا مذہب ہے۔ جس عمل کی وہ ہدایت کرتا ہے اس کے کرنے سے وہی نتیجہ

ہوتا ہے جو وہ بتاتا ہے۔

سوال نمبر۲: اسلام میں کتنی خوبیاں ہیں جو اس کو عظمت دیتی ہیں؟

جواب نمبر۲: اسلام عملی مذہب ہے۔ وہ عملی طور سے عملی زندگی میں عملی مدد دیتا ہے۔ ایک خدا کی پرستش اور جملہ انسان کی برادریت مساوات اس کو خاص فوقیت بخشتی ہیں۔

سوال نمبر۳: کیا مذہبِ اسلام میں رُوحانی و دماغی بلوغیت حاصل ہوسکتی ہے اور انسان اس سے اعلیٰ قوتیں حاصل کر کے اعلیٰ مرتبت اور انجام کو پہنچ سکتا ہے؟

جواب نمبر۳: اسلام کے طرزِ مراقبہ وعمل سے ضرور روحانی و دماغی بلوغیت حاصل اور انسان اعلیٰ مرتبہ اور نجات کو حاصل کرسکتا ہے۔ بہت کافی اشخاص اس کا تجربہ کر چکے ہیں۔

سوال نمبر۴: کیا مذہبِ اسلام کی ہدایات عملی آسایش بخش اور منافعِ خلائق ہیں؟

جواب نمبر۴: اسلام کی تقریباً تمام ہدایات عملی ہیں اور وہ بہ غرض رفاہِ عام ہیں۔ جو ہدایات ظالمانہ معلوم ہوتی ہیں ان کے سمجھنے میں غلطی ہے اور ممکن ہے اس وجہ سے کسی کے عمل میں بھی غلطی ہوتی ہو، ورنہ وہ ایسے ہیں جیسے جراحی کا کام، جس کی نیت کی نسبت الزام نہیں لگایا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر۵: کیا مذہبِ اسلام ظلم اور تشدّد کی اجازت دیتا ہے؟

جواب نمبر۵: مذہبِ اسلام کبھی ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ اس بارے میں بھی جو غلط فہمی ہے جیسی متذکرہ بالا۔

سوال نمبر۶: کیا اسلام سائنٹیفک مذہب ہے؟

جواب نمبر۶: وہ کسی طرح سائنٹیفک معلوم نہیں ہوتا۔

سوال نمبر۷: کیا جانوروں کی قربانی اسلام کو عظمت سے باز رکھتی اور گائے کی قربانی کبھی جائز ہوسکتی ہے؟

جواب نمبر۷: سچّی قربانی ہر مذہب میں جائز ہے اور صرف گائے کی نہیں، بلکہ ہر انسان اور اپنے عزیز ترین اولاد کی بھی۔

سوال نمبر ۸: کیا مذہبِ اسلام میں آزاد خیالی کی گنجایش ہے؟

جواب نمبر ۸: مذہبِ اسلام میں اگر آزاد خیالی کی گنجایش نہ ہوتی تو وہ ہرگز عملی مذہب نہیں ہوسکتا تھا۔

سوال نمبر ۹: کیا مذہبِ اسلام میں کوئی ایسی بات ہے جو کسی دوسرے مذہب میں موجود نہیں ہے؟

جواب نمبر ۹: اسلام میں کئی ایسی باتیں ہیں جو دیگر مذاہب میں نہیں ہیں، مثلاً: رسم اخلاق، مستورات کا حقِ وراثت، مساوات، قبولیتِ تبلیغ وغیرہ ہندو مذاہب میں نہیں ہیں، اگر ہیں تو حال میں شامل کیے گئے ہیں۔

سوال نمبر ۱۰: کیا مذہبِ اسلام میں انسان کو دیگر انسان وحیوانات کی خدمت میں اپنے آپ کو قربان کرنے والے اشخاص کی مثال ہیں، اور اسلام نے کبھی ایسے اشخاص پیدا کیے ہیں؟

جواب نمبر ۱۰: مذہبِ اسلام کی تواریخ میں نہ محض انسان کی خدمت کے لیے جان دینے والے اشخاص کے کارنامے ہیں، بلکہ چھوٹے کیڑوں کے لیے بھی تکلیف اُٹھانے والے اشخاص کی مثالیں ہیں۔ ہارون رشید، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے کارنامے کیا اعلیٰ درجے کے ہیں۔

یہ صرف چند سوالات جو بعض اوقات مجھ سے اہلِ ہنود اور نیز مسلم نے کیے ہیں، جوابات ہو بہو تحریر ہیں۔ ایسے بہت سے سوالات کیے جاتے ہیں اور کیے جاسکتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر مذہبی مباحثات مہذبانہ اور غیر متعصبانہ طریقے سے کیے جاتے، اہلِ ملک کو ان سے بے حد نفع پہنچتا اور دنیا میں تکالیف کی بہت کمی ہوجاتی۔[1]

❀ ڈاکٹر اسپرنگز ''سیرتِ محمدی'' میں لکھتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نہایت تیز فہم، عقیل، صائب الرائے اور اعلیٰ خاندان تھے۔

❀ کاونٹ ٹاٹسائی روسی فلاسفر لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ ان شاندار مصلحین اُمّت سے ہیں جنھوں نے اتحادِ اُمّت کی بڑی خدمت کی ہے، اُن کے فخر کے لیے یہ بالکل کافی ہے کہ انھوں نے ایک وحشی قوم کو نورِ حق کی ہدایت کی۔

---

[1] منقول از اخبار ''العدل'' گوجرانوالہ۔ مؤرخہ ۱۹ر دسمبر ۲۷ء

❁ رومن صاحب ''تذکرۃ المسیح'' میں لکھتے ہیں کہ آپ فقط صاحبِ علم ہی نہ تھے، بلکہ صاحبِ عمل بھی تھے۔ آپ نے اپنے اعمال کے نمونے سے اُمت کو عمل کی ہدایت فرمائی۔ چناں چہ جیسی انسانیت اور مروّت مسلمانوں میں ہے وہ شاذ و نادر ہی کسی قوم میں پائی جاتی ہے۔

❁ پادری کنین ایزک ٹیلر کہتے ہیں کہ بانیٔ اسلام نے مذہب کا اصل الاصول خدا کی وحدانیت اور عظمت کو قرار دیا ہے۔ رہبانیت اور خانہ نشینی کو موقوف کر کے بہادری اور جواں مردی قائم کی۔ انسانوں میں اخوت کی رُوح پھونکی۔ فطرتِ انسانی کی ضرورت کو تسلیم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ اسلام کے اُخلاق ہم سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وغیرہم

❁ گاڈ فسری ہیگنس لکھتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں اخلاق کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو بانیٔ اسلام کی تعلیم میں نہ پایا جاتا ہو۔ جب ایک فیلسوف اور حکیم سب مذاہب پر غور کرتا ہے تو دینِ اسلام کی خوبی سادگی کو دیکھ کر دل ہی دل میں پشیمان ہوتا ہے کہ میرا مذہب ایسا کیوں نہ ہوا؟ مجھ کو کوئی مذہب ایسا معلوم نہیں ہوتا جو سخت خرافات اور پیچیدہ مسائل سے پُر نہ ہو، مگر محمد ﷺ کا مذہب بہت سادہ اور حکیمانہ ہے۔

❁ موسیو میون راس تھرٹی کہتے ہیں کہ اسلام ایک جامع الکمالات قانون ہے جس کو انسانی طبعی اقتصادی اور اخلاقی قانون کہنا بالکل بجا ہے۔ زمانۂ حال میں جتنے قوانین نوعِ انسانی کی فلاح کے لیے وضع کیے گئے ہیں وہ سب اس مقدس مذہب میں سب سے پہلے موجود ہیں۔

❁ پروفیسر بارلیسن کہتے ہیں کہ کوئی چیز عیسائیوں کو اس گمراہی سے نہیں نکال سکتی سوائے اس آواز کے جو سرزمینِ عرب سے غارِ حرا کی طرف آئی اور جس نے ایسا عمل پیرایہ اختیار کیا جس سے بہتر ناممکن ہے۔[1]

قرآنِ کریم کی عظمت و وقعت

فرانس کے مشہور مستشرق موسیو سیدیو کے قلم سے

قرآن کیا ہے؟ قرآن ایک واجب التعظیم کتاب ہے۔ جس نے بتایا ہے کہ خدا کے

[1] منقول از رسالہ ''جمیل'' مظفر نگر۔ بابت جنوری ۳۸ء

حقوق بندوں پر کیا ہیں اور بندوں کے حقوق اور تعلّقات خدا سے کس قسم کے ہونے چاہییں۔ اس میں فلسفے اور اخلاق کی ہر قسم کی باتیں مذکور ہیں۔ فضل و کمال، عیب و نقصان، حقیقتِ اشیا، عبادات و اطاعت، گناہ و معصیت، کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کا قرآن جامع نہ ہو۔ واقعات کے اعتبار سے اُس کی آیتیں رسول اللہ (ﷺ) پر اترتی رہی ہیں۔ اور یہی ایک چیز تھی جس نے تمام عرب میں قومیّت کی روح پھونک دی۔ جنگجو قبائل میں اتفاق و اتحاد کی بنیاد ڈال دی اور دنیا میں ایک عالم گیر رابطۂ اخوّت پیدا کر دیا۔ وہ آداب و اُصول جو فلسفہ و حکمت پر قائم ہیں، جن کی اساس عدل و انصاف پر مبنی ہے، جو دنیا کو بھلائی اور احسان کی تعلیم دیتے ہیں، ان میں سے ایک جزو بھی ایسا نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ وہ اعتدال و میانہ روی کا سیدھا راستہ دکھلاتا ہے۔ ضلالت و گمراہی کے گڑھے سے نکالتا ہے۔ اخلاقی کمزوریوں سے بچا کر فضائل و عزت کی روشنی میں لاتا ہے اور انسانی زندگی کے نقائص کو کمالات سے بدل دیتا ہے۔ جو جُہلا اسلام کو وحشیانہ مذہب کہتے ہیں ان کے سیاہ قلب ہونے کی یہی ایک بڑی دلیل ہے کہ وہ قرآن کی ان صریح آیات کو بالکل نہیں دیکھتے جن کے اثر سے عرب کی تمام بُری اور معیوب عادتیں جو مدّت ہائے دراز سے تمام ملک میں رائج تھیں، ایک دم مٹ گئیں۔[1]

شق القمر کی تصدیق

ایک ستارے کے دو ٹکڑے ہو گئے: لندن ۲۸ / مارچ (پانیر کا خاص تار) سائنس دانانِ لندن آج کل اس خبر میں بے حد دلچسپی لے رہے ہیں جو کیپ ٹاؤن سے اس مطلب کی موصول ہوئی ہے کہ ''لوز اپکٹوریس'' نامی ستارہ جو دنیا کے ستاروں میں بہ لحاظِ عظمت و شان گیارھویں درجے کا ہے، مگر بغیر مددِ آلات آنکھوں سے نظر نہیں آتا، وہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔

اصلی خبر ریاست ارجنٹینا کی رصدگاہ لافلاٹا سے بایں مفہوم آئی تھی کہ ایک عجیب صورت کا جدید ستارہ دکھائی دیا ہے، اس خبر کی تصدیق کے لیے جو رصد خانوں میں مشاہدہ کیا گیا اور

[1] منقول ''الانصار'' دیو بند۔ مؤرخہ ۱۶ / جنوری ۲۸ء

ستارے کے پھٹنے کا حال معلوم ہوا۔ چناں چہ مشاہدات سے یہ خبر پایۂ تصدیق کو پہنچ گئی اور جنوبی افریقہ کے رصد خانوں میں ۲۶ اِنچ والی دُوربین کے ذریعے سے دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ واقعی ستارے کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں۔

اس معاملے کی جنوبی افریقہ میں نہایت محنت و جان کاہی سے تحقیقات کی جائے گی، کیوں کہ ممکن ہے اس کے ذریعے سے ترکیب و مادۂ کائنات کا کچھ حال معلوم ہو سکے۔

لیکن ابھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو اس واقعے کا یقین نہیں آیا۔ چناں چہ رائل سوسائٹی کے ممبر ڈاکٹر جے۔ ایچ۔ جینسن سے جب یہ حال بیان کیا گیا تو فرمانے لگے کہ یہ واقعہ ہرگز قابلِ یقین نہیں، ممکن ہے ایسا ہوا ہو کہ کوئی دوسرا استارہ جو ابھی تک نظر نہیں آیا تھا، گردش کرتا ہوا ''لوڈا اپکٹوریس'' کے قریب آ گیا ہو۔ شاہی نجومی کا بیان ہے کہ جب تک معاملے کی کافی تحقیقات نہ کر لی جائے اُس وقت تک کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

بہر حال شق القمر کی اس ستارے کے دو ہو جانے سے علمِ ظاہری بھی تصدیق کرتا ہے۔ کثرت سے اس کا قائل ہو جانا اور متردد کا دعویٰ امتناع کا نہ کرنا استحالہ بلکہ استبعاد کی نفی کرتا ہے، پھر انضمامِ روایتِ صحیحہ کے بعد سہولت سے وقوع ثابت ہوتا ہے۔[1]

مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہنا ممکن ہے

ڈاکٹر امیروز جان ولسن نامی ایک محقّق نے جو کوئینز کالج آکنفرڈ کے فیلو رہ چکے ہیں، پرنسٹن تھیولاجیکل ریویو میں حضرت یونس علیہ السلام کے تین روز تک شکمِ ماہی میں رہنے کے متعلق ایک مضمون شایع کرایا ہے اور اس واقعے کی نسبت جیسے سائنس دان طبقہ عام طور پر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، ایسی شہادتیں بہم پہنچائی ہیں جن سے اُن کا وقوع وصدور ممکن ثابت ہوتا ہے۔

❁ ڈاکٹر ویلسن لکھتے ہیں کہ وہیل مچھلی کی ایک فرع اسّی اسّی فٹ لمبی ہوتی ہے اور ان مچھلیوں کا پیٹ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ بیک وقت کم از کم بیس انسان اُس میں آرام سے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اب تک یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ وہیل مچھلی کا حلق بہت تنگ ہوتا ہے اور اس

[1] منقول از ''مشرق''۔ ۱۹ر اپریل ۲۸ء

میں کسی انسان کا سالم جانا غیر ممکن ہے۔ لیکن ڈاکٹر ویلسن کہتے ہیں: سپرم وہیل کا حلق تنگ نہیں ہوتا اور اس میں سے نہ محض آدمی، بلکہ بڑی بڑی چیزیں بھی بہ آسانی اندر پہنچ سکتی ہیں۔ چناں چہ ایک مچھلی کا پیٹ چاک کیا گیا تو اس میں سے سولہ فٹ لمبی شارک مچھلی صحیح وسالم نکلی۔

انسان کے صحیح وسالم مچھلی کے پیٹ میں پہنچ جانے کا سوال تو اس طرح ہو گیا، لیکن دوسرا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پیٹ کے اندر زندہ رہنا ممکن ہے؟ ڈاکٹر ویلسن اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں سانس لینے کے لیے کافی ہوا ہوتی ہے۔ البتہ درجۂ حرارت وہاں زیادہ ہوگا، مثلاً: ۱۰۴ درجہ فارن ہیٹ جو انسان کے لیے بخار کا درجہ ہے، تاہم اس میں زندہ رہنا ممکن ہے۔ ایک سوال یہ بھی ہے کہ معدے میں جو عرق ہوتا ہے وہ ہر شے کو بہ تدریج تحلیل کرتا ہے۔ ڈاکٹر ویلسن اِس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کسی زندہ شے کو یہ عرق نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اگر ایسا ممکن ہو تو خود معدہ تحلیل ہو جائے۔

اِن عقلی دلائل کے علاوہ واقعات بھی موجود ہیں، مثلاً: بیان کیا جاتا ہے ۱۸۹۱ء میں ایک جہاز خاک لینڈ کے قریب وہیل مچھلیوں کا شکار کر رہا تھا، ایک موقع پر وہیل نظر آئی، لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر اسے مارنے کے لیے دوڑے، ایک کشتی اُلٹ گئی اور اُس کے ملاحوں میں سے ایک شخص جس کا نام "جیمس بارٹلے" تھا، غائب ہو گیا، وہیل ماری گئی، ملاح اسے جہاز پر لائے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے لگے، وہ دن بھر کام کرتے رہے۔ شام تک تجزیہ کا عمل ختم نہیں ہوا، لہٰذا چھوڑ کر سو گئے۔ دوسرے دن صبح پھر کام شروع کر دیا، معدہ باہر نکالا گیا تو اس میں جیمس بارٹلے نکلا۔ وہ زندہ تھا، مگر اس کے جسم کی جلد بالکل سفید ہو گئی تھی اور عمر بھر سفید رہی۔ چودہ روز تک اس کے ہوش وحواس معطل رہے، مگر بعد میں حالت درست ہو گئی۔ یہ واقعہ سب کے نزدیک مسلّم ہے۔

امریکا کے ایک آدمی "مارشل جنکنس" کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بھی وہیل مچھلیوں کے شکار کے لیے گیا ہوا تھا، اُس کی کشتی بھی اُلٹ گئی تھی اور وہیل نے اس کو نگل لیا۔ شکاری اس کے پیچھے لگے رہے، جب اسے بُری طرح زخمی کر دیا تو وہ سطحِ آب پر آ گئی اور اس نے قے کی۔ قے کے ساتھ ہی بہت سی کھائی ہوئی چیزوں کے علاوہ مارشل جنکنس بھی باہر آ پڑا اور وہ زندہ تھا۔

ان واقعات کے بعد شکمِ ماہی میں زندہ رہنے کے امکان کا مسئلہ یقینی طور پر طے ہو جاتا ہے، مگر متشککین اب بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ واقعات محض حسنِ اتفاق کا نتیجہ تھے۔[1]

نوٹ: لیکن اتفاق بھی ہمارے مدعا کا تو مثبت ہے، یعنی وقوع احیاناً، کیوں کہ استمرارِ وقوع کا تو ہم بھی دعویٰ نہیں کرتے۔[2] (اشرف علی)

مناقبِ نبوی کا گلدستہ

فاضل واہلِ قلم معزز ہندوؤں کے ہاتھ سے
اخلاقِ کریمانہ، رحمتِ عالمیاں اور کمالاتِ نبوی کا غیر مشتبہ بیان
اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ

میلاد نمبر میں بہت کچھ تلاش و جستجو کے بعد ہم نے مناقبِ نبوی کا یہ گلدستہ تیار کیا ہے جس میں کسی مسلمان کا ہاتھ نہیں، بلکہ یہ گلدستہ ان مضامین سے تیار کیا گیا ہے جو یا تو ہندوؤں کے قلم سے لکھے گئے یا انھوں نے تقریر میں فرمائیں۔ اُمید ہے کہ برادرانِ وطن بالخصوص آریہ سماجی اس مضمون کو غور سے پڑھیں گے اور بدلگام اور متعصب لوگ اپنی ہذیان سرائی سے باز آجائیں گے۔

❁ مسٹر گووند جی ڈسائی۔ مسٹر گووند جی ڈسائی گجرات کے ایک فاضل ہندو تعلیم یافتہ ہیں۔ آپ نے گزشتہ سال اسی ماہ میں ایک مضمون اسلام اور اہنسا پر تحریر فرمایا تھا۔ اس مضمون کو گاندھی جی نے اپنے اخبار ''ینگ انڈیا'' میں درج کیا تھا۔ آپ نے اس مضمون میں آں حضرت ﷺ کی شانِ اقدس میں عقیدت کے جو پھول برسائے ہیں وہ آپ کے الفاظ میں حسبِ ذیل ہیں:

انسانی شرافت: یہ امر واقعہ ہے کہ ذاتی طور پر رسولِ عربی ایک ایسے شخص تھے جن میں بڑی انسانیت اور شرافت تھی۔ آپ کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ آپ اپنے سے کم درجہ کے لوگوں سے

---
[1] انقلاب　[2] منقول از ''صداقت'' میرٹھ۔ ۲۹ر اپریل ۱۹۲۸ء

بڑی رعایت کرتے تھے۔ اور آپ کا کمسن غلام چاہے کچھ ہی کرتا تھا آپ اس کا مضحکہ اُڑاتے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ آپ کے خادم ابنِ عباس کہتے ہیں کہ میں دس سال آپ کی خدمت میں رہا، لیکن آپ نے مجھے لفظِ اُف تک نہیں کہا۔ آپ نے مجھ سے کبھی یہ نہیں کہا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اور نہ کبھی یہ کہا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟

بچوں پر شفقت: آپ بچوں سے بڑا اُنس رکھتے تھے۔ آپ اُن کو راستے میں روک لیتے اور اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ آپ بچوں کے ساتھ اچھلتے کودتے تھے اور اُن کے کھلونوں سے کھیلتے تھے۔ آپ نے عمر بھر کسی کو نہیں مارا۔ آپ نے شدید ترین الفاظ جو کبھی مخالفینِ مذہب کے متعلق کہے، یہ تھے کہ "اسے کیا ہے؟ خدا کرے کہ اس کا چہرہ خاک آلود ہو"۔ جب آپ سے کہا گیا کہ فلاں شخص کو بددُعا دیں، تو آپ نے جواب دیا کہ میں بددعا دینے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں، بلکہ انسانوں کے ساتھ رحم کا سلوک کرتے آیا ہوں۔ آپ بیماروں کی مزاج پرسی کرنے جاتے اور جو جنازہ آپ کو ملتا تھا آپ اس کے ہمراہ ہو لیتے تھے۔ آپ ایک غلام کی شرارت بھی برداشت کر لیتے تھے۔ اپنے کپڑے خود دھوتے اور پیوند لگاتے تھے اور اپنے جوتوں کی خود مرمت کرتے تھے۔ مصافحہ کرتے وقت آپ اپنا ہاتھ پہلے نہیں ہٹاتے تھے اور نہ آپ کسی اجنبی کے ساتھ باتوں کا خود خاتمہ کرتے تھے اور نہ آپ کسی کی بات سننے سے کان پھیر لیتے تھے۔

رسولِ عربی میں تمام انسانوں سے زیادہ انسانیت تھی۔ جب آپ اپنی والدہ کی قبر پر جاتے تو روتے تھے اور اُن لوگوں کو رُلاتے جو اُس وقت آپ کے گرد و پیش کھڑے ہوتے تھے۔

نبوّت کا تاج دار جھونپڑیوں میں: جس قدر سادہ اطوار رکھتے تھے اسی قدر آپ مخیّر تھے۔ آپ اپنی بیویوں کے ساتھ جھونپڑیوں کی ایک قطار میں رہتے تھے۔ یہ جھونپڑے کھجور کی ٹہنیوں کے ذریعے جن پر مٹی لیپی جاتی تھی ایک دوسرے سے جدا تھے۔ آپ خود آگ جلاتے اور جھونپڑیوں میں جھاڑو دیتے تھے۔ آپ کے پاس جو کچھ کھانا ہوتا تھا اس میں سے اُن لوگوں کو حصہ دیتے تھے جو آپ کے پاس جاتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے مکان کے سامنے

چبوترہ تھا اور اس پر ہمیشہ ایک تعداد اُن غریبوں کی بیٹھی رہتی تھی جن کا گذارہ بالکل آپ کی خیرات پر منحصر تھا اور اس لیے ان غریبوں کو اصحابِ صفّہ کہا جاتا تھا۔ آپ کا معمولی کھانا کھجوریں اور پانی یا جو کی روٹی ہوتی تھی۔ دودھ اور شہد آپ کا سامانِ عشرت تھا اور ان دونوں چیزوں کے آپ بڑے شائق تھے، مگر آپ یہ چیزیں شاذ و نادر ہی استعمال کرتے تھے۔ جب آپ عرب کے بادشاہ بن گئے تو بھی آپ ریگستانوں کی سیاحت کو بہت پسند کرتے تھے۔[1]

غریبوں کا احترام: رسول ﷺ نے غریبوں کو یہ کہہ کر درجۂ تقدیس بخش دیا کہ غریبی آپ کا فخر ہے۔ آپ نے خدا سے دُعا کی کہ آپ کو غریبی میں رکھے، آپ کو حالتِ غریبی میں موت دے اور حشر کے دن آپ کو غریبوں میں اُٹھائے۔

ایک شخص نے آپ سے کہا کہ خدا کی قسم! میں آپ کے ساتھ محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے اس سے جواب میں فرمایا کہ اگر تم صادق ہو تو غریبی کے لیے تیار ہو جاؤ، کیوں کہ جو کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے غریبی اس کے پاس بہت زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ سمندر کی رو کی طرح پہنچتی ہے۔ اور آپ نے کہا کہ غریبوں کو اپنے پاس آنے دو، کیوں کہ اسی وجہ سے اللہ تم کو اپنے پاس بلائے گا۔ پھر آپ نے کہا کہ میرے اطمینانِ دل کو تمام غریبوں اور حاجت مندوں میں پاسکتے ہو۔ تم عشرت و راحت سے دور رہو، کیوں کہ اسلام کے خاص خادم جو اس کی عبادت میں لگے رہتے ہیں وہ عیش پرست نہیں ہوتے۔

بزرگی اور پیغامبری: آپ اس قدر منکسر مزاج تھے کہ آپ کسی کو اپنی نسبت اس سے کچھ زیادہ نہیں کہتے تھے کہ آپ خدا کے بندے اور اس کے پیغامبر ہیں۔ آپ اپنے دلی معتقدوں کو یاد دلاتے رہتے تھے کہ میں انسان سے بڑھ کر نہیں ہوں، اگرچہ آپ کا دعویٰ تھا کہ آپ خاتم النّبیین اور سر آمد انبیا ہیں، یعنی سب سے آخری اور سب سے بڑے نبی ہیں، مگر ساتھ ہی اپنے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں اور نیز باقی انسان اُس وقت تک بہشت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ خدا آپ کو اپنی رحمت سے نہ ڈھاک دے گا۔ جہاں آپ نے ایک

[1] لین پول

طرف یہ اعلان کیا کہ خود میں محض خدا کے فضل کی بدولت نجات پاؤں گا وہاں آپ نے انسانوں کو بھی تسکین دی کہ خدا کی رحم دلی اس کے غصے پر غالب آجاتی ہے اور یہ کہ خدا نے بہشت کے دروازے نام نہاد بے دینوں پر بند بھی نہیں کیے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کسی بے دین کو معلوم ہو جائے کہ خدا کس درجہ رحیم ہے تب بھی اسے بہشت کی طرف سے مایوسی نہ ہونی چاہیے۔

❁ مسٹر بھوپندر ناتھ باسو: مسٹر بھوپندر ناتھ باسو بنگال یونیورسٹی کے چانسلر اور انڈیا کونسل کے ممبر تھے۔ نیز بنگال کے ان مسلمہ لیڈروں اور فاضل اہلِ قلم میں سے تھے جن کی مثالیں ہندوستان میں تقریباً نایاب ہیں۔ آپ ہندوؤں کی ذات پات کی خرابیاں بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں: ''میری رائے میں نوعِ انسان کی بُرائیوں کے ۹/۱۰ حصے کو اس فرضی و مصنوعی برتری کے تصورات سے منسوب کیا جاتا ہے جو اپنی زعمِ ناقص میں ایک طبقہ دوسرے طبقے کی نسبت رکھتا ہے اور ایک آدمی دوسرے شخص سے اور ایک قوم دوسری قوم سے اپنے آپ کو افضل سمجھتی ہے۔ یہ مصنوعی عدمِ مساوات جو خرابیاں ظہور میں لاسکتی ہے مقدس پیغمبر کے وقت میں بھی موجود تھیں، لیکن مذہبی تعلیمات کی صحت بخش سپرٹ کے تحت میں ذاتی مثال ہے آں حضرت (ﷺ) نے ایک ایسی قوم پیدا کی جس میں افریقہ کا سیاہ فام فرزند کسی عربی قبیلے کے مغرور ترین سردار کا ہم پلّہ متصور ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ سچّی جمہوریت کا ولولہ، رواداری و مساوات کی خوبیاں اس نے دنیا کے ہر ایک گوشے میں پھیلا دی۔ پیغمبرِ اسلام نہ صرف ان محاسن کی تبلیغ کرتا تھا، بلکہ خود بھی ان پر عامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں آج باوجود اس مقدس بزرگ (پیغمبر) کے انتقال کو تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے ایک خاکروب بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر کسی بڑے سے بڑے خاندانی مسلمان سے مساوات کا دعویٰ کر سکتا ہے''۔

❁ مسٹر بپن چندر پال: مسٹر بپن چندر پال ہندوستان کے مشہور اہلِ قلم اور بنگال کے خاص مایہ ناز فرزند ہیں۔ اسلامی رواداری پر ایک طویل مضمون میں رقم طراز ہیں: ''اسلام نے یہاں آکر ہمیں جدید آئین و قوانین سے روشناس کیا۔ نئے طریقہ ہائے انتظام بتائے۔

حکومت کے جدید اغراض و مقاصد سے واقف بنایا۔ اور ہندوستان کے مختلف افراد اور مختلف صوبوں میں ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو پیشتر کی نسبت کہیں زیادہ وسیع واقتصادی مفاد و مقاصد کی عامل تھی۔ مسلمانوں کی انگریزوں کی آمد سے ایک مدت پیشتر ہی ہندوستان کی سلطنت کو منظم اور قوم کو متحد کرنے کا فخر و شرف حاصل کر لیا تھا''۔

❀ اسلام کی سیاسی صورتِ حال کے متعلق مسٹر امیر علی لکھتے ہیں کہ ''اُن چند سالوں میں جب کہ حضور نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں رونق افروز تھے اسلام نے سیاسی طور پر بنی نوعِ انسان کو اتنے حقوق عطا کیے جو رومیوں اور دیگر اقوام نے صدیوں میں بھی اپنی رعایا کو نہ دیے تھے۔ اسلام نے ٹیکس کو محدود کر دیا۔ قانوناً سب انسانوں کو ایک دوسرے کے مساوی بنا دیا۔ حکومت خود اختیاری کے اصول کی ترویج کی، بادشاہوں کے اختیارات پر پابندی عائد کیں''۔

❀ گاندھی: گاندھی نے جیل سے باہر آ کر تجرباتِ جیل کے سلسلے میں ارقام فرمایا ہے کہ ''سیرۃ النبی (مصنفہ علامہ شبلی مرحوم) کے مطالعے سے میری اس عقیدے میں مزید پختگی اور استحکام آ گیا کہ اسلام نے تلوار کے بل پر کائناتِ انسانی میں رسوخ حاصل نہیں کیا تھا، بلکہ پیغمبرِ اسلام (ﷺ) کی انتہائی سادگی، انتہائی بے نفسی، عہود و مواثیق کا انتہائی احترام، اپنے رفقا و متبعین کے ساتھ گہری وابستگی، جرأت بے خوفی، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسا، اور اپنے مقصد و نصب العین کی حقانیت پر کامل اعتماد اسلام کی کامیابی کے حقیقی اسباب تھے جو ہر مشکل اور ہر کاٹ کو اپنی ہمہ گیر زد میں بہا لے گئے''۔[1]

سائنس دانوں کے قول سے فنائے دنیا کا دفعِ استبعاد

قیامت کے آثار: برطانیہ کے مشہور ہیئت دان پروفیسر جے۔ ایچ جینیز کا خیال ہے کہ سورج کا چراغ گُل ہونے والا ہے، اس کے بعد زمین اس درجہ سرد ہو جاوے گی کہ کوئی ذی روح ہستی اس پر زندہ نہ رہ سکے گی۔

فرانس کے ایک ماہرِ فلکیات مسٹر بالدے کا خیال ہے کہ زحل ستارے میں سے آگ

---

[1] منقول از ''الامان''۔ ۲۸ راگست ۲۸ء

کے بڑے بڑے گولے نکل کر فضا میں پھیل رہے ہیں، اندیشہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک آدھ گولہ کسی روز زمین سے ٹکرا کر اسے فنا کردے گا۔ پروفیسر جنیر کی رائے میں سورج کا خزانۂ زندگی بالکل قریب الاختتام ہے۔[1]

ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات رسولِ کریم ﷺ کے متعلق

ایک غیر مسلم فرانسیسی مصنف لکھتا ہے:

میں نے پادریوں کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ قرآن (معاذ اللہ!) ایک جھوٹی کتاب ہے۔ اس وجہ سے مجھے اس کے پڑھنے کا خیال ہوا۔ اس کے پڑھنے کے بعد مجھے ایک بات نے مجبور کردیا کہ اسے جھوٹا نہ کہوں اور وہ یہ ہے کہ

''جو شخص کوئی جھوٹ بولتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ یا تو وہ روپیہ جمع کرنا چاہتا ہے یا اسے اپنی قوم کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے یا ذاتی طور پر کوئی نفع اُٹھانا چاہتا ہے۔ میں نے قرآن کو شروع سے لے کر اخیر تک پڑھا ہے، مگر کوئی مقصد ایسا نظر نہ آیا۔ اگر اس میں ایسی تعلیم دی جاتی جس سے محمد (ﷺ) کے پاس دولت جمع ہوجاتی یا ان کی قوم کو دوسروں پر ترقی دی جاتی یا کوئی اور ذاتی یا قومی فائدہ حاصل کرتا تو میں سمجھتا وہ شخص فلاں غرض کے لیے جھوٹ بولتا ہے، مگر قرآن میں ایسی باتوں سے کوئی بھی نظر نہیں آتی۔ بلکہ شروع سے آخر تک یہی ذکر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اس کی رضا حاصل کرو، اس کے حکم کے خلاف کوئی بات نہ کرو، اس کا قرب حاصل کرو۔ اور جب ہم اس انسان کی ذات کی طرف دیکھتے ہیں جس نے یہ باتیں بیان کیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جو بات بھی وہ شروع کرتا ہے اسے جھوٹا تو ہم نہیں کہہ سکتے، اگر اس کا نام جنون رکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ اسے خدا کی محبت کا جنون تھا''۔

یہ وہ شہادت ہے جو ایک غیر مسلم فرانسیسی نے حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور ان کی لائی ہوئی کتاب قرآنِ مجید کے متعلق دی ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے قرآن کو اس نظر سے دیکھا کہ اس کے ہم قوم اسے جھوٹی کتاب کہتے تھے، لیکن وہ غیر متعصب ضرور تھا، یہی وجہ ہے

---

[1] منقول از اخبار ''العدل'' گوجرانوالہ ۲۹ر اگست ۲۸، ص: ۱۱

کہ وہ کہتا ہے کہ اگر بانیٔ اسلام کو جنون تھا تو وہ خدا کی محبّت کا جنون تھا۔[1]

کفر میں اسلام

مولانا غازی محمود دھرم پال کی تقریر انجمنِ اسلامیہ گورکھپور میں

آج میرا مضمون ''کفر میں اسلام'' ہے۔ معلوم نہیں اس عنوان کو دیکھ کر آپ نے اپنے دل میں کیا خیال کیا ہوگا، مگر میں نے یہ مضمون پسند کرتے وقت اس کے دو پہلو مدِ نظر رکھے تھے: ایک تو یہ کہ اگر کوئی شخص اسلام کو ترک کر کے کفر میں چلا جاوے تو کفر کی حالت میں اس کو اسلام کیا نظر آتا ہے؟ اور خود کفر کا اس پر کیا اثر ہوتا ہے؟ کفر اور اسلام دونوں کا مشاہدہ و تجربہ کر کے وہ شخص اپنے لیے آخری فیصلہ کیا کرتا ہے؟ آیا وہ یہ پسند کرتا ہے کہ کفر میں ہی ختم ہو جائے؟ آیا کفر کا مزہ لے کر اور اس کی تلخی کا اسلام کی حلاوت سے مقابلہ کر کے از سرِ نو اسلام میں واپس آنے کی تمنّا کرتا اور آخر کار واپس آ جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ مضمون کے اس پہلو پر وہی شخص روشنی ڈال سکتا ہے جس نے اپنی زندگی میں کفر اور اسلام دونوں کی تلخی و حلاوت کا تجربہ و مشاہدہ کیا ہو۔ مضمون کا یہ پہلو اگرچہ زیادہ دلچسپ ہے اور میں اِس بات کا مستحق ہوں کہ اپنے تجربے اور مشاہدے کی بنا پر اس پر روشنی ڈال سکوں، مگر میں اس پہلو کو یہاں پر قطعاً نظر انداز کر جاؤں گا اور اس کو کسی ایسے مقام کے لیے ملتوی کر دوں گا جہاں مسلمانوں کو یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہو کہ وہاں پر کوئی یا کئی مسلمان فتنۂ ارتداد کا شکار ہو کر اسلام کو ترک کر کے کفر میں جانے کے لیے تیار ہوں۔ چوں کہ آپ کے شہر میں اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے، اس لیے میں ''کفر میں اسلام'' کے اس پہلو کو یہاں پیش کرنا بے محل سمجھتا ہوں۔

میں صرف اس کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں جس کفر کے ساتھ اسلام کی جنگ ہے، آیا وہ کفر فی الحقیقت ایسا کفر ہے جو اسلام سے قطعاً خالی ہو؟ اسلام سے قطعاً دور و محروم ہو؟ یا اس میں اسلام کا کوئی جزو ایسا بھی موجود ہے جس کی بنا پر ہم اہلِ کفر سے اپیل کرنے کا حق رکھ سکتے ہوں کہ اگر تم اس اسلام کو قبول کرنے کے لیے تیار

[1] منقول از اخبار ''مشرق'' گورکھپور۔ ۳۰ راگست ۱۹۲۸ء

نہیں ہو جو ہم تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں تو کم از کم اس اسلام کو یا اسلام کے اس جز کو تو تسلیم و قبول کرو جو تمہارے نزدیک اس چیز میں موجود ہے جس کو ہم ''کفر'' کہتے ہیں یا تم ''غیر اسلام'' سمجھتے ہو۔

حضرات! آپ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ''کفر میں اسلام'' کا یہ پہلو آپ کے نزدیک بالکل نئی چیز معلوم ہوگی، مگر نہیں، یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کی مقدس کتاب قرآنِ پاک نے بہ طور ایک بنیادی اُصول کے دنیا بھر کے اہلِ کتاب کو یہ دعوت دے رکھی ہے کہ ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾[1] ''یعنی اے میری کتابوں کے ماننے والو! اے الہامی کتابوں پر ایمان رکھنے والو! آؤ میں تم کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ باتیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہیں''۔ ہم دونوں ما بہ الاشتراک باتوں پر متفق و متحد ہو جائیں۔ اتفاق و اتحاد کا یہ مسئلہ ہندوستان کی موجودہ حالت میں جس قدر ضروری ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ کانگریس، خلافت، مسلم لیگ، ہندو مہاسبھا وغیرہ جملہ تحریکیں ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوئی نہ کوئی سمجھوتہ کرنے کے درپے ہے، مگر وہ سمجھوتہ سیاسی حقوق کو کہا ہے۔ ہم اس سمجھوتے کے برخلاف نہیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر سمجھوتے کا کوئی مشترکہ محاذ مل جائے تو وہ ہر حالت میں لبیك وسعدیك کہنے کے قابل ہے۔ میں خود اسی مشترکہ محاذ کی تلاش میں ہوں۔ مگر میری جستجو سیاسیات کو لے کر کانگریس، خلافت یا لیگ کے پلیٹ فارم تک نہیں پہنچتی، بلکہ وہ خالص دینی مسائل کو مذہبی اور تبلیغی اور اشاعتی پلیٹ فارم تک محدود ہے۔ میں اسی پلیٹ فارم سے یہ کوشش کر رہا ہوں کہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوئی مشترکہ مذہبی محاذ مل جائے۔ اور میں نہایت مسرت و اطمینان کے ساتھ آج اس بات کا اعلان کروں گا کہ مجھے یہ مشترکہ محاذ مل گیا ہے اور اگر ہندو اور مسلمان اس مشترکہ محاذ پر آجائیں کہ ان دونوں کا مذہب اُن کی مخالفت نہیں بلکہ مدد کرے گا۔ اس جدوجہد اور دعوتِ اشتراک میں ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کون سا فریق اس مشترکہ محاذ پر آنے کے لیے تیار اور کون سا فریق مخالف ہے۔ میں اس مشترکہ محاذ کے متعلق آپ حضرات کو زیادہ دیر تک پریشان کرنا نہیں چاہتا، بلکہ

[1] آل عمران: ٦٤

میں بہت جلد اس کی تشریح کروں گا، تاکہ آپ کا قیمتی وقت زیادہ خرچ نہ ہو۔

آپ جان سکتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے مذہب کی بنا قرآنِ مجید، حدیثِ پاک، فقہ، یا ائمہ و مجتہدین کے اجتہادات و قیاسات وغیرہ ہیں۔ اگر میں نے ۲۲ کروڑ ہندوؤں کے ساتھ ان مذہبی معاملات میں جن کے بارے میں وہ سات کروڑ مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پرخاش رہتے ہیں، مذہب کی بنا پر کوئی سمجھوتہ کرنا ہو تو میں اُن سے یہی کہوں گا کہ اے ہندوؤ! جن معاملات میں تم ہمارے ساتھ جھگڑا کرتے ہو، کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ ان تمام معاملات کے متعلق قرآنِ پاک، حدیثِ مقدسہ یا ہماری کسی فقہ کی کتاب کو بیچ میں رکھ کر ہمارے ساتھ فیصلہ کرلو۔ میں یقین اور شوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کے ۲۲ کروڑ ہندوؤں یا آریوں میں سے ہمیں ایک بھی ہندو یا آریہ ایسا نہیں ملے گا جو میری اس شرط کو ماننے کے لیے تیار ہو۔ بلکہ وہ یہی جواب دیں گے کہ تمہاری جن کتابوں پر ہمارا ایمان ہی نہیں ہے ہم ان کی بات کو اپنے لیے حکم کیسے مان سکتے ہیں؟ بہت اچھا صاحب! اب ہم تمہارے سامنے اپنی دینی کتب کو پیش نہیں کرتے، لیکن اب ہم تم سے ایک دوسرا سوال کرتے ہیں کہ اگر اُمورِ متنازعہ فیہ کا فیصلہ ہماری کسی کتاب کی بنا پر کرنے کے لیے تیار نہیں ہو تو چلو ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ تم اپنی دینی کتاب کو جس پر تمہارا ایمان ہے اور جو ۲۲ کروڑ و ہندوؤں کے لیے ایک سند ہے اور جس کی بنا پر تمہاری سوسائٹی، تمہاری سوسائٹی کے قوانین، تمہارا دھرم اور اس کے لوازمات کی ہندوستان کے کونے کونے میں ترویج ہورہی ہے، لو ہم اسی کتاب، تمہارے اس دھرم شاستر کو تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ آؤ! اپنے اس دھرم شاستر کو بیچ میں رکھ کر ہمارے ساتھ اختلافی مسائل کا فیصلہ کرو۔ یہ دھرم شاستر کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ یہ کسی غیر ہندو کی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے سب سے بڑے مقنن یا لاگور یعنی منو مہاراج کے فرامین کا مجموعہ ہے اور تمہارا اس پر ایمان ہے، اپنے اور تمہارے باہمی مناقشات کا فیصلہ کرنے کے لیے ہم دونوں اسی دھرم شاستر کو بیچ میں رکھ لیتے ہیں۔ اور میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ جن اُمورِ متنازعہ کی بنا پر ہمارے اور تمہارے درمیان آئے دن سرپھٹول ہوتے رہتے ہیں ان اُمورِ متنازعہ کا جو فیصلہ یہ دھرم شاستر کردے مجھے وہ فیصلہ منظور ہوگا۔ اور میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ فیصلہ ہندوستان کے ۷

کروڑ مسلمانوں کو بھی منظور ہوگا، بشرطے کہ ۲۲ کروڑ ہندو یا اُن کا کثیر حصّہ یہ اعلان کر دے کہ وہ بھی اپنے دھرم شاستر کے اس فیصلے کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔

مسلمانو! میں جانتا ہوں کہ میرے اس اعلان پر تمہارے دل میں عجیب ہیجان پیدا ہو رہا ہوگا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم مسلمان ہندوؤں کے دھرم شاستر کے فیصلے کو مان لیں، مگر تمہارا یہ ہیجان اسی وقت تک ہے جب تک کہ تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ دھرم شاستر کیا کہتا ہے؟ جب تمہیں اس حقیقت کا پتا لگ جائے گا تو تمہارے دل کی یہ کمزوری خود بہ خود رفع ہو جائے گی اور تم اپنے دل میں ایک نئی طاقت محسوس کرو گے، اس لیے کہ علم سے بڑھ کر کوئی طاقت دینے والی چیز نہیں ہے۔ یہ انگریزی میں تو مثل مشہور ہے کہ علم سے طاقت ہے۔ مضمون کو طول نہ دیتا ہوا اب میں تم سے کہتا ہوں کہ قرآنِ مجید نہیں، حدیثِ پاک نہیں، فقہ نہیں، بلکہ ہندوؤں کے دھرم شاستر کو بیچ میں رکھ کر تم ہندوؤں کے ساتھ اپنے بڑے بڑے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کی تیاری کرو اور بتاؤ کہ تم کس بات کا فیصلہ چاہتے ہو؟ کس بات نے تمہیں اور ہندو دونوں کو پریشان کر رکھا ہے؟ تم یقیناً یہی کہو گے کہ صاحب! گائے اور باجے کے سوال نے دونوں قوموں کو سخت پریشان کر دیا ہے۔ بہت اچھا! تو پہلے ان ہی دونوں سوالوں کا فیصلہ دھرم شاستر سے کر ڈالو، مگر گائے کے ساتھ سُور کا معاملہ بھی شامل کرو، کیوں کہ یہ جانور بھی جھگڑے کی چیز بن رہا ہے۔

مسلمان کہتا ہے کہ میرے مذہب اور میری مذہبی کتاب نے گائے کو حلال اور سُور کو حرام قرار دیا ہے۔ بہت ٹھیک، مگر ۲۲ کروڑ ہندوؤں کے نزدیک مستند منو دھرم شاستر کیا کہتا ہے۔ اس کی بات بھی تو سن لو۔ منو دھرم شاستر اپنے پانچویں ادھیائے کے شلوک ۱۴ اور ۱۹ میں نہایت شدّ و مدّ سے یہ فتویٰ دیتا ہے کہ چوں کہ سُور غلاظت خور جانور ہے، اس لیے قطعاً حرام ہے۔ لہٰذا جو شخص سُور کا گوشت کھاتا ہے وہ بھشٹ ہو جاتا ہے یعنی بے دین ہو جاتا ہے۔ اور پھر منو دھرم شاستر اپنے اسی ادھیا کے اٹھارھویں شلوک میں یہ فیصلہ دیتا ہے کہ اونٹ کو چھوڑ کر باقی جس قدر جانور ایک طرف دانت رکھنے والے ہیں وہ سب حلال ہیں۔ بھکسن یعنی خوردنی ہیں۔ تم خود فیصلہ کر لو کہ ایک طرف دانت رکھنے والے وہ کون کون سے حیوان ہیں جن کو منو دھرم شاستر نے حلال بتایا ہے؟ اور آیا ایسے جانوروں کی فہرست سے گائے، بھینس، بھیڑ، بکری کوئی بھی بچ

سکے؟ اور پھر اسی ادھیا کے شلوک ۴۲ میں منودھرم شاستر نے حلال جانوروں کی قربانی کی فضیلت پر زور دیا اور شلوک ۳۶ میں ایسے گوشت کا منع کیا ہے جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو ایسے حلال یا ذبیحہ کے کھانے سے انکار کرتا ہے وہ گناہ گار ہے۔ اب تم منو دھرم شاستر کے اس فیصلے کے ساتھ قرآنِ پاک کے اس قسم کا مطالعہ بھی کر جاؤ جس میں بتایا ہے کہ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾[1] یعنی ''مسلمانوں کے لیے مردار، خون، سُور کا گوشت اور ہر ایک وہ گوشت جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو، حرام کر دیے گئے''۔ ادھر منودھرم شاستر بھی فرماتا ہے کہ تمہارے لیے سُور کا گوشت اور ہر ایک وہ گوشت جس پر خدا کا نام نہیں لیا گیا، حرام کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ سُور کی حرمت اور گائے کی حلّت، اور حیوانی قربانی کا جو منودھرم شاستر اور قرآنِ مجید کا مشترکہ مسئلہ ہے اور یہ وہ ''کلمہ سواء'' ہے جس کی طرف قرآنِ مجید نے دھرم شاستر ماننے والوں کو دعوت دی ہے۔

مسلمانو! اب میں تم سے پوچھتا ہوں: کیا تم گائے کی قربانی، اور لحمِ خنزیر، اور حیوانی قربانی کے متعلق منودھرم شاستر کے فیصلے کو ماننے کے لیے تیار ہو؟ یقیناً اب تم میں سے ایک بھی ایسی آواز میں نہیں سنتا جو یہ کہنے کے لیے تیار ہو کہ تم دھرم شاستر کے فیصلے کو نہیں مانو گے، کیوں؟ اس لیے کہ اب تمہیں علم ہو گیا ہے کہ دھرم شاستر کیا کہتا ہے۔ اور علم ہی طاقت ہے۔ اس علم کی اب تمہارے دل میں تقویت پیدا ہو گئی ہے اور تم خم ٹھوک کر روڑ ہندوؤں کو یہ کہہ سکتے ہو کہ گائے اور سُور کا معاملہ اگر قرآنِ مجید سے نہیں تو آؤ منودھرم شاستر سے ہی مل کر کر لو۔ یہ کتنی بڑی طاقت سے بھری ہوئی آواز ہے کہ تم مسلم ہو کر غیر مسلم کے سامنے اس کی دینی کتاب سے بھی اسلام کا رس نچوڑ کر رکھ سکتے ہو۔

اس لیے تو میں نے کہا ہے کہ ''کفر میں بھی اسلام موجود ہے''۔ اگر اہلِ کفر اتنے ہی اسلام کو مان لیں جو اُن کے کفر میں موجود ہے تو بھی ہمارا اور اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے، مگر افسوس تو یہ ہے کہ جب ان کو پتا لگے گا کہ کفر کا گنّا اسلام کے بیلنے میں بیلا جا کر اسلام کا رس ٹپکا رہا ہے تو وہ اپنے اس گنّے کو بھی چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اب اس کا علاج نہ تو میرے پاس ہے نہ کسی

[1] المائدۃ: ۳

حکیم یا ڈاکٹر کے پاس۔

بہت اچھا! اب ذرا مسجدوں کے سامنے باجے کے سوال کو لے لو۔ منودھرم شاستر نے ناچنے گانے اور باجا بجانے کے کام کو حرام کا پیشہ بتا دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ”جو شخص یہ پیشہ کرتا ہو اس کے ہاتھ کا چھوا ہوا پانی تک نہ پیو، اگر کوئی ایسے شخص کے ہاتھ کا پانی یا کھانا کھالے تو وہ تین دن تک فاقہ کرے“۔

اب جس پیشے ہی کو منو مہاراج نے حرام قرار دیا ہے اس پر عمل کرنا یا اس کو اپنا مذہبی شعار بنانا ہمارے ہندو دوستوں کی کتنی بڑی غلطی ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ مسجدوں کے سامنے باجا بجانے سے قبل اپنے دھرم شاستر کے چوتھے ادھیاء کے ۱۵ اور ۶۴ شلوک کا اور اس کے بعد ۲۱۰ شلوک کا مطالعہ کر لیں جن میں کہ اس قسم کے پیشہ کرنے والوں کو مرنے کے بعد منودھرم شاستر نے جہنم رسید ہونے کی وعید سنائی ہے۔ آخر یہ کیا وجہ ہے کہ باجا بجانے کے پیشے کو منو مہاراج نے حرام قرار دیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ اس پیشہ کرنے والوں کے لیے جہنم رسید ہونے کا ڈر دیا ہے؟ اس لیے اور محض اس لیے کہ یہ چیز دنیا میں شر و فساد کی چیز ہے، اور اس نے ہندوستان میں جو شر و فساد برپا رکھا ہے وہ ہمارے اور تمہارے سامنے ہے۔ مرنے کے بعد نہیں بلکہ ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہی کتنے ہی اہلِ ہند محض مسجدوں کے سامنے باجا بجانے کی پاداش میں موت کے گھاٹ اُتر چکے ہیں۔ تو کیا یہی وجہ نہیں ہے کہ اسلام نے باجا بجانے کو حرام قرار دیا ہے۔ تو پھر جس چیز کو اسلام اور منودھرم شاستر دونوں حرام ہی قرار دیتے ہیں اس پر ہندوؤں کا اصرار کرنا اور مسلمانوں سے لڑنا بھڑنا کس قدر دھرم کا خون کرنا ہے۔

بہت اچھا! اب ذرا اور آگے بڑھو۔ سود خواری کا مسئلہ لے لو۔ مسلمانوں کے یہاں سود لینا حرام ہے، مگر ہندو لے رہے ہیں، لیکن دھرم شاستر کیا کہتا ہے؟ دھرم شاستر اپنے چوتھے ادھیاء کے ۲۱۰ شلوک میں حکم دیتا ہے کہ ”جو شخص سود لیتا ہو اس کے گھر کا کھانا نہ کھاؤ“۔ پھر شلوک ۲۲۰ میں بتاتا ہے کہ ”سود خوار کے گھر کا کھانا ایسا ہی ہے جیسا کہ پاخانہ کھا لینا“۔ پھر شلوک ۲۲۲ میں فرماتا ہے کہ ”جو شخص سود خوار کے گھر کا کھانا کھالے وہ تین دن تک کا فاقہ کرے“۔ یہ تو کھانا کھانے والوں کو سزا دی گئی، مگر وہ جو سود لیتا ہے منودھرم شاستر اس کی سزا کیا مقرر کرتا

ہے وہ بھی اسی کتاب میں موجود ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کو سناؤں، تم خود مطالعہ کرو۔

اب ذرا اس شدھی کو بھی لے لو جو آج کل ہندوؤں اور آریوں کا مرکز بن رہی ہے۔ اس قسم کی شدھی کو منو دھرم شاستر نے صریحاً ممنوع قرار دیا ہے، بلکہ ایک جگہ تو ایسی سزا تجویز کی ہے جو نہایت ہول ناک ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جو عملی طور پر ۲۲ کروڑ ہندوؤں اور ۷ کروڑ مسلمانوں میں سر پھٹول کا باعث ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا تصفیہ یا تو اس بات سے ہوسکتا ہے کہ ۲۲ کروڑ ہندو قرآنِ مجید کو حَکَم یا ثالث مان لیں۔ بہ صورتِ دیگر ۷ کروڑ مسلمان منو دھرم شاستر کو ثالث مان لیں۔ ہندو چوں کہ دل کے کمزور ہیں وہ قرآنِ مجید کو حَکَم یا ثالث نہیں مانیں گے، مگر اسلام صفحۂ ہستی پر بہ طور شیر نیستان غرّاتا پھرتا ہے، وہ ہندو یا آریہ یا عیسائی کسی کی دینی کتاب سے ڈرنے کے لیے تیار نہیں ہے، اس لیے اسلام ۲۲ کروڑ ہندوؤں کو دعوت دیتا ہے کہ اگر تم قرآنِ مجید کو ثالث نہیں مانتے ہو تو نہ سہی، اگر تم حدیث یا فقہ کو ثالث نہیں مانتے ہو تو نہ سہی، چلو ہم تمہارے تالیفِ قلوب کی خاطر اور اس نیت سے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد قائم ہو جائے، ہم تمہارے منو دھرم شاستر کو بہ طور ثالث کے مان لیتے ہیں، وہ گائے، سُور، باجا، سود خواری، گوشت خواری، بت پرستی، حیوانی قربانی وغیرہ کا جو فیصلہ کر دے ہمیں منظور ہے اور ہوگا، مگر کیا دھرم شاستر کے فیصلے کو ہندو بھی تسلیم کریں گے؟ میرا خیال ہے کہ جب ان کو پتا لگے گا کہ ہمارے دھرم شاستر میں سے بھی اسلام نکل رہا ہے تو وہ اس دھرم شاستر کو بھی چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اسی لیے تو میں نے کہا ہے کہ ''کفر میں بھی اسلام موجود ہے''۔ کاش! اگر اہلِ کفر اتنے ہی اسلام کو مان لیں جتنا کہ ان کے کفر میں موجود ہے تو یہ بھی از بس تعجب ہے۔

اب میں اس کے بعد میں آریہ سماج کے ساتھ مشترکہ محاذ پر چند کلمات کہوں گا، وہ بھی اگر ہمارے ساتھ ان جملہ مسائل کا جو ہمارے اور ان کے درمیان مناقشت کا باعث بن رہے ہیں، کوئی فیصلہ کرنے کے لیے تیار ہوں تو ستیارتھ پرکاش سوامی دیانند کی کتاب مطبوعہ ۱۸۵۷ء کو ثالث مان کر میدان میں آجائیں۔

توحید، رسالت، بہشت، دوزخ، گوشت خواری، حیوانی قربانی، گائے کی قربانی وغیرہ مسائل

کا جو فیصلہ یہ کتاب کردے آریہ سماج اُس کو مان لے، ہم مسلمان تیار ہیں کہ اس پر دستخط کردیں۔[1]

اسلامی نماز کے عظیم الشان فوائد کا اعتراف
مغرب کے نامور فلسفیوں اور پادریوں کی طرف سے

مصر کے مشہور جریدہ ''المؤیّد'' (قاہرہ) میں ''فضیلة الصلاة'' کے عنوان سے ایک فاضلانہ مضمون شایع ہوا ہے جس میں فاضل مضمون نگار نے کافی مطالعہ وعرق ریز جستجو کے بعد نماز کی فضیلت میں مغربی فلاسفروں کے اقوال جمع کیے ہیں اور یہ دکھایا ہے کہ اسلام کے رکنِ اعظم نماز کے متعلق ان کے کیا خیالات ہیں اور وہ اس مقدس عبادت کو کن کن رُوحانی و مادی کمالات کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔

المؤید کے فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں:

یورپ جس کو اپنی تہذیب وتمدن کے عروج پر ناز ہے، مذہبی نقطۂ نظر سے الحاد وزندقہ کا عظیم الشان مرکز ہے۔ آج ہم دنیا میں جس قدر الحاد پرستی دیکھ رہے ہیں یورپ اس کا اوّلین سرچشمہ ہے، لیکن قدرت کی اعجاز آفرینیاں دیکھو کہ اس الحاد آباد یورپ میں ایسی صداقت شعار ہستیاں بھی موجود ہیں جو اپنی کامل طاقت کے ساتھ حق وصداقت کی حمایت میں مشغول ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ موجودہ آزاد خیالی کے سیلاب کو جلد از جلد ختم کردینے کے لیے مضطرب و بے قرار ہیں۔ ہماری مراد اُن عُلمائے مغرب سے ہے جو باوجود کافی آزاد خیال ہونے کے مذہب کی ضرورت وعظمت کے قائل ہیں اور جن کا مسلک خود پرستی نہیں، بلکہ خدا پرستی ہے۔ ان ہی راست باز روحوں میں سے بعض نے اسلامی نماز کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ ہم موجودہ حالات میں جب کہ الحاد، بلکہ کئی آندھیاں چل رہی ہیں اور ایمان کی شمع جھلملا رہی ہے، ان خیالات کی اشاعت ضروری سمجھتے ہیں۔

نماز اور یوریندڈ لیبان: معزز فلاسفر بورن لیبان فضائلِ نماز پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

[1] منقول از ''مشرق''، گورکھپور۔ ۱۰رجنوری ۱۹۲۹ء

''میں نے کئی مرتبہ مسیحی و اسرائیلی نماز اور اسلامی نماز کا موازنہ کیا ہے تو ثابت ہوا کہ آخر الذکر طرزِ عبادت افضل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک اسلامی نماز بہت سی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں خدا کی حمد وثنا اور تقدیس وتمجید ہے۔ نیز دعا اور عاجزانہ التجا ہے اور اس میں انکساری وفروتنی کا عجیب مظاہرہ ہے۔ میں التزاماً یومِ جمعہ کو اسکندریہ کی جامع مسجد میں محض اسلامی نماز کی شان دیکھنے جاتا تھا۔ میں نے جب خطیب کے پُر جوش خطبہ صفوف کی ترتیب اور رکوع وسجود کے اہتمام پر غور کیا تو میرے قلب پر عجیب اثر ہوا، جو ناقابلِ بیان ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ اسلام مجھے آواز دے رہا ہے اور اُس کی عبادت کا پُر کیف نظارہ میری روح پر قبضہ کر رہا ہے''۔[1]

سینٹ ہیلر کا قول: روما کا مشہور پادری سینٹ ہیلر اپنی کتاب دعا (دی پرے) میں لکھتا ہے کہ

''میں نے جہاں جہاں اسلامی ممالک کا سفر کیا وہاں کی عبادت گاہوں کو ضرور دیکھا، اس سلسلے میں اسلامی نماز پر بھی غور کرنے کا موقع ملا۔ میرے نزدیک یہ ایک افضل ترین عبادت ہے۔ جب ایک خدا کا پجاری اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر اُس کی خوشنودی چاہتا ہے اور اس کی حمد وثنا کے گیت گاتا ہے، تو رُوح وجد میں آجاتی ہے، اس وقت وہ یقیناً اپنے مذہب سے قریب تر ہو جاتا ہے، تا آنکہ اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ اس کے حضور میں سر بہ سجود نظر آتا ہے، اس کا آخری نتیجہ روح کی طہارت اور قلب کی پاکیزگی ہے۔ مزید برآں اس عبادت میں ورزشی پہلو بھی نمایاں ہیں جس کا تعلق جسم کی تقویت سے ہے۔ میں نے دیکھا کہ نماز گذار سست، کاہل نہیں ہوتے۔ صبح کی بے داری عجیب اثر رکھتی ہے''۔

پادری جیمس مولر کا بیان: مذہبی رہنما جیمس مولر تحریر فرماتے ہیں:

''تعصب سے کام لینا آسان ہے، لیکن سچ بولنا دشوار ہے۔ میں اس وقت دشوار منزل ہی کو اختیار کرتا ہوں۔ میں نے بارہا اپنے محمدی احباب سے گفتگو کی ہے اور ان کے عقائد کی تحقیقات میں مشغول رہا ہوں۔ تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی اپنے پیغمبر (ﷺ) کے

[1] دی لکچر آف الیجز، ص:۴۶

اطاعت گزار ہیں اور ان کی ہر شے کو محبوب رکھتے ہیں۔ مسیحی دنیا کے لیے اس محبت میں ایک خاص سبب ہے۔

اسلامی آبادی کا ایک پیشتر حصّہ آج بھی ایک اہم عبادت کا پابند ہے جس کا نام نماز ہے۔ محمدیوں کا عقیدہ ہے کہ نماز بُرائیوں سے روکتی ہے اور بے حیائی کے کاموں سے محفوظ رکھتی ہے۔ بہ ظاہر یہ عقیدہ درست نہیں معلوم ہوتا، کیوں کہ اکثر نمازی بھی بُرائی کی طرف مائل نظر آتے ہیں، لیکن تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ وہ شخص جو دن میں پانچ مرتبہ یعنی ایک ماہ میں ایک سو پچاس مرتبہ اپنے خدائے برتر سے پرہیزگاری کا عہد کرتا ہے اور گناہوں سے بےزاری کرتا ہے، وہ ایک نہ ایک دن اپنے عہد میں کامل ہوجاتا ہے اور واقعی پرہیزگار بن جاتا ہے"۔

مسٹر کنگ کا خیال: مسٹر سی۔ ایم۔ کنگ رقم طراز ہیں:

"انسان فطرتاً اس بات کا عادی ہے کہ جب دنیاوی کاموں اور مجلسی تفریحوں میں مشغول ہوجاتا ہے تو اس کو اصلاحِ نفس کا خیال نہیں رہتا اور بعض تفریحوں میں لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے۔ ان حالات میں جب اس بات پر غور کرتا ہوں کہ اسلام نے اپنے وفاداروں پر دن رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے اور اُن کو مجبور کیا ہے کہ وہ ہر حال میں اس اہم فرض کو ادا کریں تو مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نماز ایک بہترین ذریعۂ ہدایت ہے۔ جب ایک سچّے عقیدے کا آدمی ہر طرف سے بے نیاز ہوکر خلوص و محبت کے ساتھ اپنے خالق کو یاد کرتا ہے اور اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرکے اس کی خوش نودی چاہتا ہے اور اس قادر و قدوس سے استعانت طلب کرتا ہے تو اس کی روح ایک پاکیزہ حالت میں پہنچ جاتی ہے اور اس کے دل و دماغ سے نفس پرستی کا خبط دور ہوجاتا ہے۔ میں نے اعلیٰ پوزیشن کے مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے اثر و اقتدار کے لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور کم حیثیت آدمی ان سے بات کرنے کی بھی جرأت نہیں کرسکتے، لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک عظیم الشان آدمی بے تابانہ مسجد میں داخل ہوجاتا ہے اور اپنے غیر معروف بھائیوں کے ساتھ فریضۂ نماز ادا کرتا ہے۔ اس نظارے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بے شک اس

عبادت میں سادگی اور فروتنی کا سبق موجود ہے اور اس میں مساوات کی شان نظر آتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی رسول نے عجیب انداز سے امیر وغریب، ادنیٰ واعلیٰ کو ایک صف میں جمع کیا اور مناسب طور پر غرور ونخوت کے طلسم کو پاش پاش کیا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ نماز ایک بہترین عبادت ہے''۔ (ترجمہ در خلافتہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اوائل میں اسلام کے جانی دشمن تھے۔ ایک روز تلوار لے کر گھر سے نکلے کہ جا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر دیں۔ راستے میں معلوم ہوا کہ خود اُن کی ہمشیرہ ایمان لا چکی ہے۔ انھوں نے پہلے اسی کا صفایا کرنے کا ارادہ کیا۔ جب بہن کے گھر میں داخل ہوئے وہ قرآن کی تلاوت کر رہی تھی۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار اُٹھائی، بہن نے کہا: ذرا پہلے اس کو دیکھ تو لو، پھر جو چاہے کر لینا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وہ نوشتہ لے کر پڑھنا شروع کیا۔ نوشتہ کیا تھا، جادو کا تعویذ تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ پشیمان ہوئے اور ڈرتے ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر پہنچے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بعد میں اسلام کے حق میں آپ نے جو خدمات ادا کیں اُن کی تاریخِ اسلام شاہد ہے۔

کچھ عرصہ ہوا ایک آریہ دوست نے جو بڑے اہلِ قلم بھی ہیں، مجھ سے کانپور میں کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی ایسی اعلیٰ اور پاک ہے کہ مجھے اس میں کوئی رخنہ نظر نہیں آتا، اپنے داماد کے شہید ہونے کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کا ہاتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا اور آپ نے اُسے منظور کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مرہونِ احسان فرمایا۔ یہ بی بی بڑی پرہیزگار اور عابدہ تھیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں قرآن کا جو نسخہ مرتب کرایا تھا وہ اُسی کی امانت میں رکھا گیا تھا۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کو بڑی محبت تھی۔

اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا: اُمّ سلمہ اور اس کا خاوند ابوسلمہ اس پارٹی میں سے تھے جو مسماۃ سودہ اور اس کے خاوند کی طرح حبش کو ہجرت کر گئے تھے، حبش سے واپسی پر دونوں میاں بیوی مدینہ کی ہجرت پر آمادہ ہوگئے، مگر اُمِ سلمہ کے میکے والے مزاحم ہوئے اور زبردستی اسے ابوسلمہ سے کھسوٹ لے گئے، اتنے میں اُس کی سسرال والے بھی آ پہنچے اور اس کے شیر خوار بچے کو اس کی گود سے لے

بھاگ گے۔ بچاری اُمّ سَلَمہ رات دن گریہ وزاری کرتی رہتی تھی، حتّٰی کہ ایک رشتہ دار نے رحم کھا کر اس کو اپنے خاوند کے پاس مدینہ پہنچا دیا۔ دو سال کے بعد اُس کا خاوند لڑائی میں شہید ہوا۔ اور حضرت نے اُس کو عقدِ نکاح میں لے لیا۔ اس وقت اُس کی عمر ۷۵ سال کی تھی۔ ۸۰ سال کے بعد اُس کا انتقال ہوا۔

زینب رضی اللہ عنہا: یہ وہ بیوی ہے جس کی نسبت مخالفین طرح طرح کی چہ می گوئیاں کرتے ہیں۔ واقعات یہ ہیں: زینب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ بیس سال کی عمر میں حضرت نے اُس کی شادی زید بن حارث سے کی تھی۔ ہر چند زینب دل سے اس شادی پر راضی نہ تھیں مگر انکار بھی نہ کر سکتی تھیں۔

زید اصل میں بی بی خدیجہ کا ایک حبشی غلام تھا اور شروع ہی میں ایمان لا چکا تھا۔ بی بی خدیجہ نے اس کو غلامی سے رہا کر دیا اور اجازت دی کہ اپنے ماں باپ کے ہاں چلا جائے، مگر اس نے بدستور آپ کے ہاں رہنا پسند کیا اور اپنے آپ کو اس قدر اہل ثابت کیا کہ حضرت محمد صاحب نے اس کو متبنیٰ بنا لیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ آپ کو زینب اور زید کے نکاح میں اس قدر دلچسپی تھی۔ گو آپ زینب کا ہاتھ زید کو دے سکتے تھے۔ اس کا دل دینا اس کے اپنے ہاتھ میں تھا۔ میاں بیوی میں آئے دن کھٹ پٹ ہونے لگی اور طلاق کی نوبت پہنچی۔ آں حضرت نے بہتیرا فریقین کو سمجھایا، مگر محبت کا دیوتا جو آنکھوں سے اندھا ہے اور فقط دل کی آنکھوں سے دیکھا کرتا ہے رضا مند نہ ہوا، طلاق ہو گئی۔

زینب بڑی قابل عورت تھی۔ نہ معلوم اس کے دل میں کیا کیا اُمنگیں تھیں۔ اُس کی آرزو یہ تھی کہ اُسے رسول اللہ کی زوجیت کا فخر نصیب ہو۔

(ناظرین! کیا آپ اس جذبے کو مضحکہ اُڑانے کے قابل سمجھتے ہیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا دل عورت کا دل نہیں ہے۔)

اہلِ عرب میں متبنیٰ بیٹے کی بیوی سے شادی کرنا جائز نہ تھا۔ آں حضرت کو قدرتی طور پر تشویش ہوئی۔ زینب کسی اور کے ساتھ نکاح کرنا پسند نہ کرتی تھی اور آپ کا پہلا تجربہ اس کے

حق میں ناگوار ثابت ہو چکا تھا۔ اب کریں تو کیا کریں؟

بالآخر غور کرتے کرتے ان کو اندرونِ دل سے یہ صلاح ملی کہ زینب سے نکاح کرنا عین مناسب ہے، جائز ہے۔ یا اسلام کی اصطلاح میں یوں کہیے کہ حضرت کو الہام ہوا کہ زینب سے نکاح کرنا جائز ہے۔

مخالف لوگ کہا کرتے ہیں کہ آں حضرت نے ایک ناجائز فعل کو جائز ٹھہرانے کے لیے ایک ''خاص وحی'' کے اترنے کا بہانہ بنایا۔ اگر وہ تعصّب کو چھوڑ کر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ جو فعل ایک ملک یا ایک زمانے میں جائز سمجھا جاتا ہے وہی فعل کسی اور ملک یا اور زمانے میں ناجائز ٹھہرتا ہے۔ یعنی کثیر الازدواجی جس کو اسلامی اخلاق میں جائز سمجھا جاتا ہے، عیسائی اخلاق کی رُو سے قابلِ نفریں ہے اور نہ صرف ہندوؤں میں مہا بھارت کے زمانے میں ایک بیوی دروپدی کے لیے پانچ خاوند کرنا جائز تھا، بلکہ اب بھی دور دراز پہاڑوں میں ایسی قومیں موجود ہیں جن میں یہی رسم جاری ہے۔ اور ابھی کل کی بات ہے کہ آریہ سماج کے بانی نے نیوگ کو جائز بتلایا ہے۔ ایک غیر خون متبنّٰی بیٹے کی بیوی سے شادی کرنا بجائے خود کوئی بُرا فعل نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں! اہلِ عرب کے مروّجہ اخلاق کی رُو سے یہ فعل بُرا تھا، لیکن کیا حضرت محمد صاحب کی ساری زندگی کی ساری زندگی عربی اخلاق کے خلاف بغاوت کی زندگی نہ تھی؟

دوسرا رہا ''خاص وحی'' کا اعتراض۔ یہ سچ ہے کہ جب خدا کو ایک شخص ہستی مان کر اس کو عرش بریں پر متمکن مانا جانا ہے، تب اس سے وحی اور الہام لانے کے لیے جبرائیل ایسی درمیانی ہستی کی بھی ضرورت ہوگی، مگر کیا یہ درست نہیں کہ جب انسان کے اندر کسی سوال کے جواز یا عدمِ جواز کی نسبت کشمکش پیدا ہوتی ہے تو بالآخر اسے اس عقدے کا کوئی حل بھی ہاتھ آتا ہے، جو پاک نفس اور پاک باطن انسانوں کی حالت میں بعض دفعہ ایک شعلہ زن تصویر نقش پایا نوشتہ کی صورت اختیار کرتا ہے اور اگر اسے الہام یا وحی یا اکاش بانی وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا نہ جائے تو کیا کیا جائے:

چوں نہ سرِ معرفت آگہ شوی لفظ بگذاری سوئے معنی روی

اسی لفظوں کے ہیر پھیر اور چھیڑ چھاڑ نے ہی تو ہم کو بے خانماں بنا رکھا ہے اور ہم کو نہ دنیا کا چھوڑا ہے نہ دین کا۔

بی بی زینب کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دوسری بیبیوں سے فخر یہ کہا کرتی تھیں کہ "میرا نکاح (حضرت سے) خود خدا نے آسمان پر کیا ہے اور تمہارا نکاح تمہارے باپوں نے زمین پر کیا ہے"۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے سوا اور کوئی بی بی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مدِمقابل نہ تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں سے چمڑے کو دباغت دیتی اور آمدنی غریبوں میں تقسیم کرتی تھیں۔ اسی کی نسبت پیغمبر صاحب نے فرمایا تھا کہ تم میں سے جس کے ہاتھ دراز ہیں وہی مجھ سے جلدی ملے گا۔ وہ اس قدر سخی تھیں کہ جس قدر وظیفہ حضرت عمر سے ملتا سب خیرات کر دیتیں۔

بی بی حبیبہ: خدا کی قدرت بڑی عجیب ہے۔ بی بی حبیبہ کا باپ ابوسفیان عمر بھر اسلام کا جانی دشمن رہا۔ اس نے پیغمبرِ اسلام اور اس کے مشن کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا، مگر جب فتحِ مکّہ کے بعد اُس نے طوعاً و کرہاً اسلام قبول کیا، اُس نے اپنی کج روی کی پوری پوری تلافی کر کے وہ وہ خدمات سرانجام دیں جن کی نسبت شان و گمان بھی نہ تھا۔ اسی ابوسفیان کا بیٹا معاویہ پھر اسلام کے حق میں باعثِ رحمت ثابت ہوا۔ اُس نے حضرت علی کے ساتھ وہ جنگ و جدال کیے جن میں فریقین کے تیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور خلافت میں دوعملی پیدا ہوئی، حتیٰ کہ حضرت علی شہید ہوئے اور معاویہ خلیفہ بن کر کربلا کے الم ناک سانحے کا آلۂ کار بنا۔

اسی تنے کی دوسری شاخ بی بی حبیبہ ۱۷ سال کی عمر میں ایمان لائی اور بعد میں اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کر کے حبش جانے پر مجبور ہو گئی۔ وہاں اس کا خاوند نصرانی ہو گیا۔ اب نہ راہ رفتن نہ پائے ماندن۔ اگر پیغمبر صاحب اس حالت میں اس کا ہاتھ نہ پکڑتے تو سخت بے حمیتی کے سزاوار ہوتے۔ آپ نے اُن کو نکاح کا پیغام بھیجا اور خالد کی وساطت سے رسوماتِ نکاح ادا کیے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد مدینہ آئیں۔ اسی عرصے میں اُن کے والد ابوسفیان کو پیغمبر صاحب سے معاہدہ کرنے کے لیے مکّہ سے مدینہ جانے کا اتفاق ہوا۔ جب وہ بی بی حبیبہ سے ملنے کے لیے مکان پر گیا، حبیبہ نے اُس کو آتے دیکھ کر وہ مسند جس پر پیغمبر صاحب بیٹھا کرتے

تھے، تہ کر کے الگ رکھ دی اور جب باپ نے اُس کا سبب دریافت کیا تو کہا: ''میں یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ رسول اللہ کی مسند پر ایک مشرک بیٹھے''۔آن ہو تو ایسی ہو۔

بی بی جویریہ: ان کا باپ حارث قبیلہ بنو المصطلق کا سردار تھا اور بڑا نامور بہادر اور شہسوار تھا۔ وہ ایک مرتبہ حضرت محمد صاحب کی غیر حاضری میں مدینہ پر حملہ آور ہوا۔لڑائی میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور حارث کے خاندان کی عورتیں جن میں جویریہ بھی تھیں، قید ہو گئیں۔ جویریہ ایک صحابی کے حصے میں آئی جس نے ایک معیّنہ رقم کے عوض اس کو رہا کرنا منظور کیا۔مگر جویریہ کے پاس رقم نہ تھی، اس لیے وہ پیغمبر صاحب کے پاس آئی۔آپ نے معیّنہ رقم ادا کر کے اس کے ساتھ نکاح کرلیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اس نکاح کے پاس خاطر سے جویریہ کی قوم کے تمام قیدی جو اُن کے حصے میں آئے تھے، یکے بعد دیگرے رہا کر دیے۔اس مروّت کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ حارث اور اس کی ساری قوم کے لوگ خوشی سے حلقۂ اسلام میں آشامل ہوئے۔

بی بی صفیہ: یہ ایک باوقار یہودی کی بیٹی تھی، جس کی دوسری شادی خیبر کے یہودی سردار کنانہ کے ساتھ ہو گئی تھی۔خیبر کی فتح کے وقت صفیہ مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو گئی۔آں حضرت نے اسے عقدِ نکاح میں لا کر خیبر کے یہودیوں سے دوستانہ رشتہ قائم کیا۔

غرضیکہ دو ایک نکاح کو چھوڑ کر باقی جس قدر نکاح آں حضرت نے کیے وہ یا تو اس وجہ سے تھے کہ ان بیوگان کا جنھوں نے اسلام کی خاطر طرح طرح کی صعوبتیں اُٹھائی تھیں، سوائے ذاتِ خدا اور کوئی ہاتھ پکڑنے والا دنیا میں نہ تھا یا اس وجہ سے کہ ان نکاحوں کو آں حضرت اسلامی طاقت کے استحکام کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔یہ آخری نکاح عین اسی قسم کے تھے جس قسم کے بیاہ اکبر نے راجپوت گھرانوں میں کیے، جن کی غرض و غایت پولیٹکل تھی۔

ایک وقت میں راقم سطور ہذا کا یہ خیال تھا کہ جب قرآن نے جسے کلامِ الٰہی کہا جاتا ہے، چار سے زائد شادیاں ناجائز کر دی تھیں تب آں حضرت کی شانِ نبوّت کے خلاف تھا کہ چار سے زائد نکاح کرے۔اب وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا اور معلوم ہو گیا یہ نکاح آپ نے اس حکم

کے نزول سے قبل کیے تھے بعد میں نہیں کیے۔

اُمید ہے کہ ان سطور کے پڑھنے کے بعد کوئی منصف مزاج شخص حضرت محمد صاحب کی کثیر الازدواجی پر اعتراض کرنے کی گنجایش نہیں دیکھے گا اور ہندوستان کے آخری تاج دار ابوظفر بہادر شاہ ظفر کا یہ شعر ہمیشہ پیشِ نظر رکھے گا کہ

ہمیں جب تلک اپنی ہوئی نہ خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے گناہوں پہ جب کہ نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

کاش! اگر راقم کی اُمید بر آئے اور لوگ تعصّب کی عینکیں اتار کر ایک دوسرے کی خوبیاں دیکھنے لگیں تو ہندو مسلم اتحاد میں وہ خوش گوار فضا پیدا ہو جائے کہ ہمارا ملک آج بھی جنّت کا نمونہ بن جائے، کیوں کہ

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

خدا ہم سب کو رواداری کی توفیق دے۔[1]

بعض غیر مسلم فاضلوں کی رائے قرآن شریف کے متعلق

قرآن کے سوا دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جو اپنی آغاز سے آج تک بلاشبہ ویسی کی ویسی ہی ہو۔ اب اس مبارک کتاب کے متعلق عقلاً غیر مسلم کی شہادتیں ملاحظہ کیجیے:

۱۔ اعلیٰ سے اعلیٰ توحید کا مذہب جو دنیا میں پایا جاتا ہے وہ اسلام ہے۔[2]

۲۔ مہاتما گاندھی لکھتے ہیں: اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ فطرتِ انسانی کے مطابق ہے۔

۳۔ ینگ انڈیا گروکل کانگڑی کے پرنسپل رام دیو ایم۔ اے لکھتے ہیں:

”قرآن کی بھاشا بہت سُندر ہے، اس میں فصاحت بلاغت بھری ہے، اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کے اندر بہت اچھی باتیں ہیں۔ قرآن کی توحید میں کسی کو شک نہیں، صاف بتایا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ عرب کے اندر عورتوں کا کوئی درجہ نہ تھا، محمد

---

[1] منقول از اخبار ”مشرق“ گورکھپور۔ مؤرخہ ۹ر مئی ۲۹ء [2] پروفیسر آرنسٹ ہکل جرمنی

صاحب نے عورتوں کے حقوق قائم کیے''۔[۱]

۴۔ ہندو فاضل پروفیسر دھروجی وائس چانسلر ہندو یونیورسٹی نے گروکل کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا: ''حضرت محمد صاحب نے جس رنگ میں توحیدِ الٰہی کو قائم کیا وہ ایک بےنظیر طرز تھا''۔[۲]

۵۔ قرآن کی عبارت کیسی فصیح و بلیغ اور مضامین کیسے عالی و لطیف ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک امین ناصح نصیحت کررہا ہے اور ایک حکیم فلسفی حکمتِ الٰہی بیان کرتا ہے۔[۳]

۶۔ قرآن انتہائی لطیف و پاکیزہ زبان میں ہے۔ اس کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی انسان مثل اس کی نہیں بنا سکتا۔ یہ لازوال معجزہ ہے جو مردہ زندہ کرنے سے بہتر ہے۔[۴]

۷۔ یہ تحریف سے پاک ہے۔[۵]

۸۔ کوئی کتاب بارہ سو برس سے ایسی نہیں ہے کہ اس کی عبارت اتنی مدّتِ مدید تک خالص رہی ہو۔[۶]

۹۔ اخلاقی احکام جو قرآن میں ہیں، اپنی جگہ پر کامل ہیں۔

۱۰۔ ڈاکٹر لیبان لکھتے ہیں: اسلام کی وضاحت اعتقادات اور اس کے ساتھ دوسروں کے مقابل میں نیکی اور انصاف جس کی مہر اس مذہب پر کی گئی ہے، اس کی عالم گیر اشاعت کا بہت بڑا باعث ہے۔ فی الواقع تمام مذاہبِ عالم میں یہ فخر اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے پہلے پہل وحدانیّت خالص و محض کی اشاعت دین میں کی، اسی خالص وحدانیّت کی وجہ سے اسلام کی ساری سادگی اور شان بھی یہی سادگی باعث ہوا۔ اسلام کی قوت اور اسلام کی مضبوطی کا یہ وحدانیت محض ایسی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی بھید یا معمّہ نہیں ہے۔ نہ اس میں متضاد چیزوں کے ماننے کی ضرورت ہے جو دوسرے مذاہب میں واقع ہوتی ہے اور جنھیں عقلِ سلیم قبول نہیں کرتی۔ ایک خدا واحد مطلق معبود، تمام بندے اس کی نظروں میں بہت تھوڑے سے ارکانِ دین جن کا بجالانا

---

[۱] پرکاش، فروری ۱۹۲۷ء [۲] الفضل: ۱۹۲ [۳] فرک مؤرّخ جرمنی [۴] مسٹر سیل [۵] دیباچہ قرآن مسٹر جی۔ ایم۔ راوڈیل [۶] سر ولیم مور

واجب ہے اور اُن کے بجا لانے کی جزا بہشت اور نہ بجا لانے کی سزا جہنم ہے۔ اس سے زیادہ صاف وسادہ اور غیر مبہم کون سا مذہب ہوسکتا ہے۔[۱]

ہر آنکہ پوشیدہ چشمِ دل اند ہماناں ازیں طوطیاں غافل اند

دیگر مذاہب جو دنیا میں رائج ہیں ان میں سے کسی کتاب کو یہ بات نصیب نہیں۔ بائبل کے متعلق عُلمائے نصاریٰ کو خود تحریف کا اقرار ہے۔

❁ کرسٹم اپنی تفسیر نویں باب متی میں لکھتا ہے کہ بہت سے پیغمبروں کی کتابیں نیست ونابود ہوگئیں۔

❁ سر ولیم میور انجیل یوحنا کے متعلق لکھتے ہیں: بے شک یہ کتاب مدرسہ اسکندریہ کی کسی طالب علم نے تصنیف کی۔[۲]

پارسی مذہب کی کتاب کا بھی ایسا ہی حال زرتشت کی کتاب ۳۲۱ سال قبل مسیح سکندر نے رند واوستا زرتشت کو جلا دیا تھا۔ اب صرف حصّہ دیا تھا کہ پانچ گنا الہامی تسلیم کی جاتی ہیں۔ ''زرتشت اوراس کا دین'' مصنفہ آراتیح مسر۔

وید کی حالت سب سے زیادہ ناگفتہ بہ ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ رشیو پتھرا الہام ہوئے۔ کوئی کہتا ہے کہ برہما الہام ہوا۔ کوئی کہتا ہے کہ پیاس نے بنائے۔ کوئی مختلف لوگوں کی تصنیف بتلاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ دو ارب سال ہوئے جب نازل ہوئے تھے۔ کوئی کہتا ہے کہ تین ہزار برس ہوئے جب بنائے گئے۔ غرض اس کی گتھی کسی طرح سلجھتی نہیں۔

❁ پنڈت کرشن کمار بھٹا چاریہ پروفیسر سنسکرت ریذیڈنسی کالج کلکتہ لکھتے ہیں کہ رگوید کے حصّے اس ملک کے شاعروں اور رشیوں نے تصنیف کیے ہیں، وہ مختلف زمانوں میں لکھی گئی ہیں۔

❁ پروفیسر ایشوری پُرشاد لکھتے ہیں: رگوید کے بہت سے منتر عورتوں کے بنائے ہوئے ہیں۔[۳]

کوئی کہتا ہے کہ وید تین ہیں۔ کوئی کہتا ہے: چار ہیں، پھر اُن میں تحریف بھی ہوئی ہے۔ سوامی دیانند لکھتے ہیں کہ سوختی قربانی وغیرہ یہ بائبل سے وید میں آئے۔ البتہ اپنشد وغیرہ

[۱] تمدنِ عرب [۲] تاریخِ کلیسا [۳] تاریخِ ہند، حصّہ اوّل

متعصب فرقہ والوں نے اکبر کے زمانے میں ملا کر بنا دیے۔[۱]

جوگ لشت میں ہے: ویدوں کا یہ حال ہے کہ کوئی ان میں سے ایسا نہیں ہے کہ جو تغیّر و تبدل یا کمی بیشی سے خالی ہو۔ اور دوا پر میں ویدوں کی ایسی تحریف ہوئی کہ آدھے بھی تحریر میں نہ آئے۔

پھر ان ویدوں میں جو احکام ہیں وہ ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ چناں چہ مرقوم ہے کہ چاروں ویدوں کے احکام باہم متناقض ہیں۔[۲]

یہ کتاب ایسی زبان میں ہے جس کو کوئی سمجھ نہیں سکتا اور اس کے الفاظ بے معنی ہیں۔ شرح گیتا میں ہے: ویدوں شاستروں پرانوں کو قدیم زمانے کے لوگوں نے ایسا بنایا ہے کہ لفظوں میں معنی نہیں رکھتے۔ و نمبر ۱۰ و ۳۸ منشی سدا سکھ لال لکھتے ہیں: یہاں کی سب نظموں میں وید قدیم ہے، مگر ان میں جو سنسکرت زبان ہے وہ بگڑتے بگڑتے کچھ اور ہی طرح کی ہو گئی۔ و تاریخِ ہند، ص: ۱۱، لالہ لاجپت رائے لکھتے ہیں: سنسکرت زبان مختلف حالتوں میں تبدیل ہوتی رہی ہے، اس لیے بعض سنسکرت الفاظ کے معنی مختلف زبانوں میں مختلف رہے ہیں۔ سب فاضلوں کا اتفاق ہے کہ مروّجہ سنسکرت پڑھ لینے سے ویدوں کے صحیح معنی سمجھ میں نہیں آسکتے۔[۳] یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے ترجمے میں ایسا اختلاف ہے کہ کسی اور کتاب کے ترجموں میں ممکن نہیں۔ ایک منتر سے ایک توحیدِ الٰہی ثابت کرتا ہے تو اُس ہی منتر سے دوسرا ہوائی جہاز بنانے کے اصول نکالتا ہے۔ تیسرا دیوتاؤں کی تعریف لکھتا ہے۔ کیا ایسی کتابیں اس قابل ہیں کہ ان پر ایمان کا مدار رکھا جائے؟

۱۱۔ ایک مسیحی نامہ نگار لکھتا ہے: پیغمبرِ اسلام نے مسلمانوں کی قوم کے پھیلنے اور باقی رہنے کے تمام سامان فراہم کر دیے ہیں، کیوں کہ مسلمان جب قرآن و حدیث پر غور کرے گا تو اپنی ہر دینی و دنیوی ضرورت کا علاج اس میں پائے گا۔[۴]

۱۲۔ شریعتِ اسلام نہایت اعلیٰ درجے کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے۔[۵]

۱۳۔ قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر ہیں اور ہر زمانے کے لیے اس قدر موزوں ہیں کہ

---

[۱] ستیارتھ پرکاش [۲] الکھ پرکاش [۳] تاریخِ ہند، ص: ۷۷ [۴] مصری اخبار ''وطن'' [۵] انسائیکلو میٹر برہنگا

زمانے کی تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں اور وہ محلوں، ریگستانوں اور شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا ہے۔[۱]

۱۴۔ قرآن کی وہ شریعت ہے اور ایسے دانشمندانہ اُصول اور اس قسم کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

۱۵۔ ڈاکٹر لیبان لکھتے ہیں: ہائنگر نے ایک لمبی چوڑی فہرست ان اخلاقی احکام کی دی ہے جو مسلمانوں میں بہ طور مقولوں کے رائج ہیں۔ ان سے بہتر کوئی دستور العمل انسان کے عملاً نیکی کی طرف راغب اور بدی سے محترز کرنے کے لیے نہیں ہوسکتا۔[۲]

۱۶۔ دنیا کی موجودہ تہذیب صرف اسلام کی بدولت ہے۔[۳]

۱۷۔ دیگر مذاہب پر نظر کی جائے تو بائبل کے احکامات اور بائبل میں تو ہر سال تغیّر و تبدل ہوتا ہے۔ عیسائی مذہب میں صرف بہ صورتِ زنا طلاق کا حکم تھا اب ضرورتِ زمانہ سے مجبور ہوکر اور صورتیں تجویز کرنی پڑیں۔ اس طرح اکل و شراب داد وستد کے معاملات میں تغیّر واقع ہوا۔ ہندوؤں کی حالت عجیب ہے۔ لیکھرام دیانند وغیرہ طلاق وغیرہ پر معترض تھے، آج ہندو طلاق کے لیے قانون بنانا چاہتے ہیں۔ نکاحِ بیوگان کا حکم نہ تھا، آج اس کو جاری کیا جاتا ہے۔ چھوت چھات مذہبی مسئلہ آج چھوڑا جارہا ہے۔ اور سنیے! ایک گروہ اس پر راغب ہے کہ پھوپھا وغیرہ قریبی رشتہ داروں کے یہاں شادیاں ہوں، بلکہ اس پر عمل درآمد بھی شروع ہوگیا۔[۴] اگر ان کا مذہب خدا کی طرف سے ہوتا تو شریعت مکمل ہوتی اور آج اس میں تغیّر و تبدّل کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ انسانی احکامات حسبِ ضرورت بدلا کرتے ہیں جیسے قوانینِ سلطنت۔

ڈاکٹر ای۔ اے فریمن لکھتے ہیں: (اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد ﷺ بڑے پکے راست باز اور سچے رفارمر تھے) دنیا اعمال کی فضائے ہستی میں آپ ہی ایک وجود نادر پائے جاتے ہیں۔ آپ ہی کی ہستی ایسی مفصل و مشرح ہے جس کے حالات ہم تک صحیح اور

[۱] ڈاکٹر سمویل جانسن [۲] تمدنِ عرب [۳] ڈاکٹر کے۔ ایس۔ سیتارام، ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی
[۴] درویش سدھارک لاہور

بالتفصیل پہنچے ہیں۔ انسانی اخلاق کی اصلاح جو آپ نے فرمائی ہے، اجتماعیات کے اندر جو انقلابِ علوی آپ کی تعلیم نے پیدا کیا ہے، سوسائٹی کے تزکیہ اور اعمال کی تطہیر کے لیے جو اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے وہ آپ کو انسانیت کا محسنِ اوّل قرار دیتی ہے۔ [1]

حضرت محمد ﷺ کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص آپ کی اولوالعزمی، اخلاقی جرأت، نہایت خلوصِ نیت، سادگی اور رحم و کرم کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ [2]

ہندو فلاسفر مسٹر ٹی۔ ایل وسوانی لکھتے ہیں: محمد ﷺ کی زندگی ترحّم و عنایات اور اچھائی سے پُر ہے۔

''الامان'' جون ۲۵ء شردھے پرکاش دیوجی لکھتے ہیں: حضرت محمد ﷺ من جملہ اُن بزرگ اشخاص کے ہیں جنھوں نے قانونِ قدرت کے مطابق جہالت اور تاریکی کے زمانے میں پیدا ہو کر دنیا میں صداقت کی روشنی کو پھیلایا۔ تنگ دل اور متعصب لوگ ایسے بزرگ کی نسبت کچھ کہیں، لیکن جو لوگ با انصاف اور کشادہ دل ہیں وہ کبھی محمد ﷺ صاحب کی ان بے بہا خدمات کو جو وہ نسلِ انسانی کی بہبود کے لیے بجالائے، بھلا کر احسان فراموش نہیں ہوسکتے۔ [3]

آں حضرت ﷺ کے حالاتِ زندگی کے متعلق تو جیسا میں نے عرض کیا بے شمار مجلدات ہیں، لیکن اسلام تو اپنے ہر پیشوا، ہر بزرگ کی سوانح عمری رکھتا ہے اور ان تمام کے دامانِ عصمت لغویات و خرافات کے بدنما دھبوں سے پاک ہیں۔ دیگر مذاہب کے پیشواؤں کے متعلق اشارتاً التماس ہے کہ یہودی عیسائی موسیٰ و عیسیٰ کی سوانح عمری مکمّل نہ پیش کر سکے۔ اگر بائبل سے کچھ مواد جمع کیا جائے تو اس میں اس قسم کی باتیں آتی ہیں کہ وہ مسیح اپنی والدہ صدیقہ سے فرماتے ہیں کہ اے عورت! تیرا مجھ سے کیا واسطہ ہے، لیکن کسی غیر محرم عورت سے سر مبارک پر تیل کی مالش کرتے نظر آتے ہیں۔ بودھ اور زرتشت کی سوانح عمریوں کا تو کیا ذکر، ایک گروہِ محققین کو اسی میں کلام ہے کہ اس نام کے آدمی دنیا میں تھے بھی یا نہیں یا یہ فرضی نام ہیں۔

آریہ اپنے قدیم رشیوں کے حالات بتلانے سے ساکت ہیں۔ اُن کے متعلق بھی یہ گمان کیا گیا ہے کہ یہ عناصرِ اربعہ کے نام ہیں اور قدما کا تو کیا ذکر، اُن کے جو اوتار زمانہ قریب

---

[1] مسٹر ایڈورڈ مونٹی [2] لفٹنٹ کرنل سائکس [3] سوانحِ عمری محمد ﷺ صاحب

میں گزرے ہیں ان کی مکمل اوصاف لائف[۱] نہیں پیش کر سکتے۔ ابھی پچاس ساٹھ برس گزرے سوامی دیانند تھے، وہ خود اپنا نام ونسب وغیرہ نہ بتلا سکے اور ان کے متعلق جو کچھ ہندو فاضلوں نے لکھا ہے وہ بھی موجود ہے۔[۲]

باقی بزرگانِ ہنود کے متعلق جو کچھ مواد ان کی کتابوں سے ملتا ہے وہ اس قدر دُور از تہذیب ہے کہ میرا مہذّب قلم اس کی نقل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ مضمون ایک اخبار کے لیے لکھا گیا ہے، اس لیے اس کو زیادہ وسعت نہیں دی جا سکی۔ ورنہ قرآنِ مجید اور اسلامی شریعت وحضور علیہ السلام کی لائف کے متعلق محقّقین کے اس قدر اقوال موجود ہیں کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہو، یا واقعات و دلائلِ صادقہ سے ان پر کچھ لکھا جائے تو چند مجلدات کا کافی ہونا بھی دشوار ہے۔ طالبِ حق کے یہ مجمل سطور بھی کافی ہیں:[۳]

حرفے ز داد و دانش و دین است ایں کہ ما
بہر صلاح خاطر دانا نوشتہ ایم

راز دار بیوی کی شہادت: حضور سرورِ عالم کی ''سیرتِ طیّبہ'' کا مطالعہ کرنے کے بعد یورپ کا ایک مشہور فاضل مسٹر کارلائل لکھتا ہے کہ ''میں جس زمانے میں عرب کی تاریخ پڑھ رہا تھا تو قدرتی طور پر میرے دل میں یہ سوالات پیدا ہوتے تھے کہ اسلام نے کن اسباب کے ماتحت اس قدر جلد اور ایسی مکمل ترقی کر لی اور کیوں اس وقت تک چالیس (۴۰) کروڑ آدمی اس مذہب کو اختیار کیے ہوئے ہیں؟ جب میں نے غور کیا تو یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ محض رسولِ عربی کی صداقت کی وجہ سے یہ مذہب کامیاب ہوا اور آج بھی اُن ہی کی روحانی طاقت اسلام کو پھیلا رہی ہے۔ میں شروع میں اسلامی پیغمبر کی تعظیم نہیں کرتا تھا، لیکن جب میں نے ان کے حالات پڑھے تو مجھے ان کی صداقت کا یقین ہوگیا۔ میرے نزدیک اُن کی صداقت کا ایک واضح ترین ثبوت یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے ان کی رسالت کو تسلیم کیا وہ اُن کی بیوی خدیجہ ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ بیوی اپنے شوہر کے حالات سے بہ خوبی واقف ہوتی

---

[۱] حالاتِ زندگی [۲] آئینہ افعالِ دیانند [۳] منقول از ''الامان'' دہلی۔ مؤرخہ ۱۵/اگست ۱۹۲۷ء

ہے، اگر اس کے شوہر کا کریکٹر اچھا ہوتا ہے تو وہ اس کی تعظیم کرتی ہے، اگر خدانا خواستہ حضرت محمد ﷺ صاحب کا کریکٹر اچھا نہ ہوتا اور وہ مقدس و محترم نہ ہوتے تو اُن کی بیوی ہرگز اُن کی رسالت کا اقرار نہ کرتی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ راز دار بیوی کی شہادت ساری شہادتوں سے افضل ہے۔[1]

پردے کے متعلق ایک عیسائی خاتون کے خیالات

آج کل بہت سے مسلمان بلکہ مشائخ یہ سمجھ رہے ہیں کہ پردہ ترقیات کے راستے میں سنگِ گراں بنا ہوا ہے، لہٰذا اس کو اتار پھینکنا چاہیے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ لیڈم سیبور کا وہ مقالہ پڑھیں جو جریدہ ''لازیری'' میں بہ عنوان ''ایک مسلم خاتون میری نگاہ میں'' شایع ہوا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ مجھے ایک مسلم خاتون سے بڑھ کر جو پردے میں لپٹی ہوئی ہو، کوئی چیز پسند نہیں آتی۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ لوگ بہت ہی بے وقوف ہیں جو بے پردگی پر تختی سے جمے ہوئے ہیں، حالاں کہ یہ بدیہیات میں سے ہے۔ مردوں اور عورتوں میں بہ اعتبار عمل کے بہت فرق ہے، ایسی حالت میں عورتوں کی بے پردگی جو مردوں کا خاصہ ہے، کچھ مفید ثابت نہ ہوگی، بلکہ عورت کو بے پردہ کرنا اُس کو بدترین اخلاق کا مرتکب بنانا ہے۔

میرے خیال میں ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ایک مسلم عورت مردوں کے دوش بدوش بے پردہ ہوکر سیر گاہوں میں پھرتی رہے۔ مبدءِ فیاض نے اُن کے اعمال میں جو تقسیم کردی ہے یہ بے پردہ ہوکر اُس تقسیم کو باطل کردیں۔

باقی رہا اقتصادیات میں عورتوں کا حصہ تو اقتصادیات میں عورتوں کا کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ بسا اوقات مجھے ان لوگوں پر ہنسی آتی ہے جو کہتے ہیں کہ پردہ ہی ایک روڑا ہے جو ترقیات کے راستے میں اٹکا ہوا ہے اور آج مسلم خواتین محض اسی وجہ سے جہالت اور پستی کے عمیق گڑھوں میں پڑی ہوئی ہیں، مگر میرے نزدیک قواعدِ اجتماعیت میں اس کو کوئی دخل ہی نہیں ہے اور یہ دلیل بالکل بے محال لائی گئی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پردہ ترقیات کے راستے میں قطعاً حائل نہیں اور سب سے بڑی

[1] منقول از ''الامان''۔ مورخہ ۱۵ر اگست ۲۹ء

غلطی یہی ہے کہ عورت کو خواہ بے پردگی کی تعلیم دی جائے، بلکہ عورت کو زیادہ تعلیم بھی نہ دی جائے، مفید ضرورت کافی سمجھی جائے۔[1]

اہلِ ہنود کی کتابوں میں حضورِ اقدس ﷺ کی رسالت کا ذکرِ مبارک

ہندو کتابوں میں بھی حضورِ انور رسولِ خدا ﷺ کا تذکرہ موجود ہے اور نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

اس تحقیق اور تخصیص کے عُلما میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی رحمۃ اللہ، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ، مولوی عبدالرحمٰن چشتی عالم سنسکرت مؤلف ''مرأۃ المخلوقات''، مولوی محمد حسن مؤلف ''تصدیق الہنود و کشف الاستار'' (مطبوعات اجمیر شریف)، طالب حسین نومسلم فرخ آبادی، سیف اللہ گورکھپوری، مولوی عبدالعزیز بن غلام احمد مؤلف ''بشارتِ احمدیہ''۔[2]

کیا کلکی اوتار آ گیا؟ مولوی محمد حسن نے بڑی تلاش اور دور دراز پاپیادہ سفر اور ہندو فقیروں اور سادھوؤں کی صحبت اور خدمت میں ایک مرتاض کی حیثیت سے تا دیر رہ کر معلوم کیا کہ ہندوؤں کے رشیوں نے اپنے ملفوظات میں دس اوتاروں کے آنے کا عقیدہ ظاہر کیا ہے، اِن میں بدھ اوتار اور کلکی اوتار کا بھی ذکر ہے۔ چناں چہ ہماری نظروں سے گوتم بدھ کی پیشین گوئیاں گزری ہیں جن سے رسالتِ محمد عربی ﷺ کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہم انھیں کسی موقع پر صاف اور واضح لفظوں میں درج کریں گے۔ ہاں! ہندوؤں کی مقدس جماعت رشیان و مونیان کا عقیدہ تھا کہ جب دنیا میں گناہ ہوں، استبداد کے جابرانہ دستوروں اور حقوق العباد کے غضب کرنے والوں سے ایک مظلمہ خانہ کی ایسی کیفیت ہوگی اور روحانیت اور للّٰہیت کی روشنیوں کے گُل ہونے سے تمام گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جائے گا تو ایک بڑا راہ نما اور قوت والا راہ بر ایسا پیدا ہوگا جو تمام مفاسد کو میٹ دے گا اور جس کی بعثت رحمت و حُریّت اور مساواتِ عامہ کی بشارت دے گی۔

اس لیے کہا جاتا ہے کہ کلکی پران میں جس مرسل اور اوتار کا ذکر ہے اس کے باپ کا نام ''وشنو لیس'' ہوگا۔ ''وشنو'' کے معنی خدا اور ''لیس'' کے معنی بندہ، یعنی عبداللہ (حضور محمدِ عربی ﷺ

---

[1] منقول ''مہاجر'' دیوبند۔ مؤرخہ ۲۹ رجولائی ۲۹ء [2] دہلی مطبوعہ یوسفی ۱۲۷۲ھ

کے والد ماجد کا نام) ماں کا نام ''سومتی'' ہوگا۔ سومتی اس کو کہتے ہیں جس پر لوگ بھروسا کریں اور امن وامان والی سچی ہو۔ یہی معنی آمنہ (حضور کی والدہ) کے ہیں۔ کلکی پُران کا مصنّف بتاتا ہے کہ وہ غار میں تپشیا کرے گا۔ جس پر سرسری نظر ڈالنے سے ہر تاریخِ ادیان کا جاننے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ حضور نے غارِ حرا میں عبادت کی تھی۔ چوتھی علامت بتائی جاتی ہے کہ وہ روح الامین (پُرش رام) سے تعلیمِ ربّانی پائے گا۔ پُرش کے معنی روح اور رام کے معنی خدا کے ہیں، یعنی روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام۔ پانچویں نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے وطن سے ہجرت کرے گا، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ چھٹی علامت یہ ہوگی کہ وہ تمام پاک اور نیک لوگوں کی تعریف اور تصدیق کرے گا، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دین اور ملّت کے پیغمبروں، فقیروں اور رہبانوں کی عزت کی، اور اُن کی عزت کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ساتویں علامت جو ظاہر کی ہے وہ بالکل تاریخِ ولادتِ نبوی سے ملتی ہے۔ کلکی پُران میں جو تاریخ اور ساعت بتائی گئی ہے وہ ۱۲ ربیع الاوّل سورج نکلنے کے دو گھڑی بعد ہے، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبحِ صادق کے وقت پیدا ہوئے تھے۔ اس جگہ ''تصدیق الہنود'' کے مؤلف نے نجوم اور ریاضی سے کام لیا ہے، اُس نے ثابت کیا ہے کہ عرب اور ہند میں اتنا فرق ممکن ہے، کیوں کہ جس وقت عرب میں صبحِ صادق نمودار ہوتی ہے اس وقت ہندوستان میں دو گھڑی دن چڑھ جاتا ہے۔ اس بحث کی نزاکت اور اہمیّت کو اس زائچہ اور سمارۂ ریاضیات سے خوب سمجھایا ہے جو ''تصدیق الہنود'' کے مؤلف نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔

وَیدکی گواہی: مؤلف ''کشف الاستار'' مولوی محمد حسن نے (صورتاً) ہندو بن کر بنارس میں اور اجودھیا میں ایک زمانے تک تحصیلِ علومِ ویدکی اور بڑے بڑے پاک نفس برہمنوں اور خدا رسیدہ سادھوؤں کی صحبت حاصل کی۔ انھوں نے دیکھا اکثر جنگلوں اور پہاڑوں میں تارک الدنیا جوگی کسی بڑی ہستی اور کسی تعریف کی ہوئی ذات کی یاد میں بھجن گاتے اور اس کی جے مناتے۔ چناں چہ جب انھوں نے اتر کھنڈ کا پاٹ کیا تو انھیں یہ مضمون ملا:

۱۔ ''وہ مخلوق سے نہیں ڈرے گا اور نہایت شجاعت اور عرفان والا ہوگا اور اس کا نام

''مہامت'' ہوگا۔[1]

۲۔ ان (مہامت) کی وضع کو دیکھ کر لوگ حیران رہیں گے۔نئ طرح کا اُن کا احوال دیکھیں گے اور جو پوجا ان کی قوم کے لوگ کریں گے وہ نہ کریں گے اور اپنی قوم سے کہیں گے کہ مجھ کو اس قدر ایک ذات کا جس کا شریک نہیں ہے، یہ حکم ہے کہ اس طرح کی بے معنی پوجا مت کرو اور میں سوائے اللہ کی ذات پاک کے اور کسی طرف رجوع نہیں کرتا ہوں، تم میری تابع داری کرو۔ اس وجہ سے ساری قوم ان سے جدا ہو جائے گی۔[2]

پھر مولوی محمد حسن اپنی کتاب ''کشف الاستار'' میں لکھتے ہیں کہ

''اتھرین وید'' میں اللہ کا لفظ پایا جاتا ہے اور حضور محمدِ عربی ﷺ کا نام نامی بھی ''احمد ومحمد'' جس کا اشارہ ''مہامت'' میں ہے، موجود ہے۔ رکھ کھنڈ میں یوں آیا ہے: ''سری قوام سر سمودائی وکالی کمائی احمد ناروبائی''۔

یجر وید میں بھی یوں دیکھا گیا ہے کہ

''الائنک نج الوجان محمد الائنک کرمان جان تیجان نند مانی جان جان نماہی جیوسان کجان''۔

اَنْ کہی یا اَنْ کہنی کیا چیز ہے؟ سنا جاتا ہے کہ جب پرانے زمانے کے ہندوؤں کو نزع کے عالم میں زمین پر اُتار کر لٹا دیتے تھے اور روح کے پرواز ہونے میں مادی علائق سے کشاکش شروع ہوتی تھی تو سفرِ آخرت کی آسانی کے خیال سے لوگ چپکے چپکے اُس کے کانوں میں ''ان کہی'' پڑھتے تھے۔ ہاں! اس ''ان کہی'' کے صحیح الفاظ غیر ہنود کو معلوم نہیں تھے۔ بس ایک بات سنتے چلے آتے تھے کہ ایسا ہوتا ہے۔ اتفاق سے اکبر کے زمانے میں ایک برہمن مسلمان ہوا، اُس نے برہمنوں سے کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور اس طرح سچے برہمن بن جاؤ، کیوں کہ جس بات کی تصدیق برہمنی ادبیات اور کتبِ متبرکہ میں موجود ہے اس کے ماننے سے ہم برہمن ہو سکتے ہیں۔ وہ برہمن کہتا تھا کہ مسلمان ہونے سے ہم سچے مسیحی بھی بن سکتے ہیں، کیوں کہ مسلمان مسیح علیہ السلام کی بھی تصدیق کرتا ہے اور اسی طرح ہم ہندو اُسی وقت ہو سکتے ہیں کہ ''محمد ﷺ'' پر

---

[1]، [2] مہادیو جی

ایمان لائیں، جنھوں نے سب اوتاروں اور نبیوں کی تصدیق کی ہے۔ آخر میں مناظرہ کے اس نے ''اتھرین وید'' کا یہ ٹکڑا پیش کیا جسے ''دبستان المذہب[1]'' والے نے بھی ''ان کہی'' لکھا ہے:

لا الہا ہرنی پاپن الا الہام پرم پدم
جنم بے کنٹھ پراپ تیوتی توجپی نامِ محمدم

لا الٰہ کہنے سے پاپ مٹتے ہیں اور الا اللہ کہنے سے پرم پدوی ملتی ہے، اگر ہمیشہ ہمیشہ کی بہشت چاہتے ہو تو نامِ محمد ﷺ جپا کرو۔

بعض ہندو فقرا اور اہل اللہ: ہم نے اکثر ہندو فقیروں سے پوچھا کہ منزلِ فقر میں جب راستے طے کیے جاتے ہیں تو کیا کسی جگہ پیغمبرِ عرب کی راہ نمائی اور روشنی سے مدد ملتی یا ضرورت پڑتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ آگے چلتے چلتے ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں ہندو اور غیر ہندو کا فرق باقی نہیں رہتا، اس وقت ہم پر حقیقتِ احوال منکشف ہو جاتی ہے، وہاں سے ایک قدم آگے بھی بغیر اقرار اور وسیلۂ محمدِ عربی ﷺ کے نہیں جا سکتے۔ چناں چہ ایک گوشائیں تے رامائن کے آخر بالکنڈ نامی حصے سے کچھ اشعار ایک خاص لہجہ میں سنائے:

راج سینت بھو پریت دکھائے آپن مت سب کا سمجھائے

بادشاہی قاعدہ سکھائے خوف اور محبت سے کام لے اپنا دین سب کو بنائے۔

نگم اگم سوئی پنچ اوپارا پتی ابا او نمت مجھارا

سمندر کے پھیلاؤ کے مانند اُن کا جلال ہوگا، گرم ہوگا، آنواں ان میں بیچ ہے۔

یعنی جس طرح کمہار آنویں کے بیچ میں آگ لگاتا ہے جو تمام جگہ پہنچ جاتی ہے اسی طرح ان کا دین سب میں پہنچ جائے گا۔

تب لگ سلازم چھے کوئی بنا محمد ﷺ پار نہ ہوئے

یعنی تب خدا تک بغیر محمد (ﷺ) کی پیروی کے نہیں پہنچ سکتا ہے۔

ماہر سلازم نماں تہینہ ہوئے تلشی بچن ست ست کوئے

اس کے بعد خدائی پیغام نہ ہوگا، تلشی سچ سچ کہتا ہے۔

---

[1] مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

بیاس جی مشہور ہندو رشی کی گواہی: مولوی عبدالرحمٰن چشتی کا مزار لکھنؤ میں ہے۔ یہ بڑے پایہ کے صوفی گزرے ہیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ ہندوؤں میں ایک کتاب ''بھوتک اوتر پران'' ہے، اس کتاب کے تالیف کرنے والے بیاس جی مشہور ہندو رشی ہوئے ہیں۔ وہ اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ

''آیندہ زمانے میں مہامت پیدا ہوں گے، اُن کا نشان یہ ہوگا: اُن کے سر پر بدلی سایہ کرے گی، ان کے جسم کا سایہ نہ ہوگا۔ دنیا کے لیے کچھ تلاش نہ کریں گے، ان کی سب تلاش دین کے لیے ہوگی۔ جو کچھ پیدا کریں گے اللہ کی راہ میں خرچ کردیں گے۔ تمام عمر کم کھائیں گے۔ عرب کے سردار اُن کے دشمن ہوں گے اور وہ اللہ کے دوست ہوں گے۔ وہ قادر وتوانا ان کو تیس ادھیا پران بھیجے گا''۔

مولوی عبدالرحمٰن چشتی رحمہ اللہ اس تیس پران ادھیان سے قرآنِ مجید کے تیس پاروں کا مطلب لیتے ہیں۔

راجہ بھوج مشہور عالم راجہ کا اسلام: راجہ بھوج کے نام کے کئی شخص مشہور ہیں۔ ایک مقام تو بلیا کے پاس ہے جسے بھوج پور کہتے ہیں۔ ہم نے اسے نہیں دیکھا ہے۔ ہمارے ایک عزیز نے جن کا تعلق قاضی پورہ بلیا سے ہے، بیان کیا کہ وہاں ایک میدان میں کچھ پرانی جہاں انقلاب دیدہ بوسیدہ عمارتیں ہیں، جو اپنی زبانِ حال سے کچھ کہتی ہیں اور کہہ نہیں سکتیں۔ ان ہی تعمیری پوست واستخواں ڈھانچوں میں ایک رصد خانہ ہے جسے عرفِ عام میں جنتر منتر کہتے ہیں، فلکیات کے زائچے اور نجوم کے نشانِ دہ علامات اس پر منقش ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہاں راجہ بھوج کے شاہی محلات تھے۔ وہ شق القمر کے واقعے سے مسلمان ہوا۔ اس کے خاندان والے اس سے خلاف، اور اُس کی رعایا اس سے خلاف ہوئی تب وہ ترکِ وطن کرکے ''دھارواڑ'' (گجرات) گیا، وہیں اس نے اپنی بقیہ زندگی یادِ الٰہی میں بسر کی۔ نام شیخ عبداللہ تھا۔

اس واقعے کو ہم نے ایک کتاب میں دیکھا تھا جو مولوی سبحان اللہ صاحب کے کتب خانہ

میں تھی۔ ''بشاراتِ احمدیہ'' کے مؤلف مولوی عبدالعزیز نے بھی راجہ بھوج کا ذکر کیا ہے، بلکہ اسی سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس راجہ کے خاندان کے ایک نے جو ضلع بستی میں رہتا تھا، اسلام قبول کیا۔ ایک روزنامچہ کا حوالہ بھی دیا ہے جو فتح خان مرحوم کے کتب خانہ میں تھا۔ فتح خان اعظم گڑھ میں ایک نامور تحصیل دار گزرے ہیں جن کے نام کی ایک سرا جیل خانہ سے تھوڑی دوری پر ہے۔ ان کے کتب خانہ میں راجہ بھوج کا ایک روزنامچہ تھا جس کا سنسکرت سے فارسی میں فیضی نے ترجمہ کیا تھا۔ اسی کو کسی عالم اور محقّق نے دیکھ کر مولوی عبدالعزیز مؤلف ''بشارتِ احمدیہ'' سے واقعہ بیان کیا تھا کہ راجہ بھوج نے شق القمر کے مافوق العادت مظاہرۂ قدرت کو دیکھا تھا اور اسی کی صبح اپنے عالموں اور نجومیوں سے ایسے ان ہونے واقعے کی تعبیر پوچھی تھی، اس وقت کے ہندو عالموں اور منجموں نے راجہ سے کہا کہ ہمارے حساب سے عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے اس کا دین سب دینوں کی تصدیق کرے گا اور تمام عالم میں پھیلے گا۔ راجہ نے اپنے یہاں سے کچھ آدمی عرب روانہ کیے۔ یہ لوگ سنسکرت کے صحیفوں کے عالم اور ان علامات سے واقف تھے جو محمدِ عربی کی پاک اور برگزیدہ شخصیت کے متعلق ان کے یہاں مشہور تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عرب اور ہندوستان میں آمد و رفت تاجروں اور اشیائے نادرہ کے اِدھر سے اُدھر لے جانے والوں کا سلسلہ جاری تھا۔ اس مبحث پر پارسال جو مضمون مولانا سیّد سلیمان ندوی نے الٰہ آباد کی ہندوستانی اکیڈمی میں پڑھا تھا اس سے بہت مدد ملتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان اور عرب میں کس درجہ ذرائعِ آمد و رفت کشادہ تھے۔ مختصر یہ کہ جو لوگ ہندوستان سے عرب میں گئے تھے وہ راجہ بھوج کے پاس بعثتِ حضور رحمۃ للعالمین، قائم کنندہ مساوات و مواخاتِ عالم، بانئ حُریّتِ بنی نوع انسان کی خوش خبری لے کر آئے اور مسلمان ہو کر آئے، یہاں تک کہ راجہ بھی مسلمان ہوا۔

اسی طرح لالہ ہنسراج مشہور آریہ کارکن اور فاضل ہندو ادیب و محقّق نے جب موپلوں کی شورش مالابار میں ہوئی تھی تو تحقیقِ حالات کے لیے وہاں گئے تھے۔ وہاں جا کر انھیں یہ خیال آیا کہ اس ساحل پر اسلام کیسے آیا اور کس طرح اندرونِ ملک پھیل گیا۔ مختلف توجیہوں اور نظریوں کے سامنے آنے کے بعد انھیں ایک ہندو مندر میں مالابار کے پرانے راجہ کی لکھی

ہوئی تاریخ ملی جو سنسکرت میں تھی۔ لالہ صاحب نے اس کو بغور پڑھا۔ راجہ نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ یوں لکھا تھا کہ ''میں نے ایک شب چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ مجھ پر ہیبت طاری تھی۔ میں نے اپنے یہاں کے پنڈتوں اور نجومیوں کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ عرب میں کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے، اس کا دین دنیا اور دین کی نجات دلائے گا۔ چوں کہ عرب لوگ ساحل مالا بار پر آتے جاتے اور اشیائے نادرہ کی تجارت کرتے تھے، اس لیے راجہ نے عربوں سے بلا کر پیغمبرِ عرب کے شمائل اور امتیازات دریافت کیے۔ بالآخر اس نے ایک دربار کیا اور اپنے سرداروں اور رعایا کے نمایندوں سے کہا کہ میں ایک وفد عرب بھیج رہا ہوں، اگر یہ لوگ وہاں سے پیغمبرِ عرب کی تصدیق اور توثیق کر کے آئیں گے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا اور تم لوگ بھی وعدہ کرو کہ اس وقت مسلمان ہو جاؤ گے''۔

ایک گورکھپوری کی شہادت: ایک صاحب جو مولوی سیف اللہ گورکھپوری گزرے ہیں ان کو علومِ سنسکرت اور بھاشا میں بڑا کمال تھا۔ انھوں نے ذاتِ محمدی کی کھوج میں بڑی کاوش کی اور اپنی تحقیقات کو بہ صورتِ کتاب مرتب کیا ہے۔ معلوم نہیں یہ کتاب چھپی ہے کہ نہیں۔ مولوی عبدالعزیز صاحب نے اپنی کتاب ''بشارتِ احمدیہ'' میں اس کے مسودے سے اپنے استفادے کا ذکر کیا ہے، ہاں! مولوی سیف اللہ صاحب کو ایک صاحب مولوی حبیب اللہ کے خاندان سے بتاتے ہیں اور ایک صاحب مولوی سبحان اللہ صاحب کے دادا مولوی حبیب اللہ کا بھائی بتاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان خاندانوں کے کسی طاقِ تاضیت یا جزودان فراموش میں مولوی سیف اللہ کی یہ تالیف کہیں پڑی ہو۔ وہ لکھتے ہیں کہ کندا کے مصنّف نے اپنی کتاب ''کپل پرگن'' میں بشارتِ محمدی بارھویں ادھیا کی چھٹی درشت کونٹ میں لکھی ہے:

''اودت پن، اتم ہی ندتم، ارن سینکبارتم، بلونت سورتم، پرتھوی مدھی، سرب اونما سن گرام، پرن پر پرسوتم دیوتا داہنکر اہت چھاک کورڈوم۔ سنگرام تہ۔سید سولیں کو زدہ تب ہیم کٹرلیو چھیم پرتھوی مدھم بت کا گرس گرلیو پگر یت نری بھوکھمم ایتارم پرتھوی مدہی پال ہر ہارم گرگ گرہ اودت پن تم پرتھوی کرینکس ہری پری پُتر چرندبکم تارائن دکس ویال رونگ یدب نری

چرس کرتے کھتم پرم پراکت براتم"۔

ترجمہ: نجات کا دینے والا اوتار جو پیدا ہوں گے اندھیری دور کرنے والی زمین کے بیچوں بیچ میں[1] دشمن کا مارنے والا، زوروالا، بڑا بہادر، زمین کے ناف میں وہ سرب نما ہوگا (اس لفظ کے معنی ہیں تعریف کیا گیا، جو ترجمہ ہے محمد کا)۔ بذریعہ جہاد کے دین پھیلائے گا۔ کوڑا مارنے والے کولڑائی کے ساتھ وہ پچھم کی طرف ملے گا، اس کے ملنے کی تین شرائط ہوں گی:

۱۔ پیداوارزمین کی دیا کرو۔ ۲۔ ہماراعقیدہ قبول کرو۔ وہ بڑی عزت والا ہوگا۔ راجہ بڑا راجہ بڑے لوہے کی چلانے والی زمین کے بیچوں بیچ میں بے وقوفی کا مٹانے والا پیدا ہوگا، زمین کے بیچوں بیچ میں۔ اچھے لوگوں کے گھرانوں میں جو بے عیب ہوں گے، ان کا پیارا بیٹا خدا کے قدم پاک میں اس کی روح رہی۔ مدت تک وہ آنے والا جب قدم چھوڑے گا آجائے گا پرائے گھر کی سرحد میں۔ ۳۔ یہ بشارات سمرت وسما اسکنت سے جو ۲۸ سمرتیوں پر مشتمل ہے، یہاں منقول ہے۔

"مہا بھوئی بر نہ ہرنک پہری پوترین سارستی، چرنہ سرسری گھم شرم نئی وہ پرتھی دم ایتی سارم برہارتم سوریہ پری چوزنم اوتارنہ"

ترجمہ: زمین کے بیچوں بیچ میں سورج کی طرح بڑے خاندان میں خدا کی طرف سے اوتار ہوگا۔ اور اس ملک کا پتا ہے کہ وہاں ایک پتی ہوگی دست آور[2] (اس ملک کے لوگ بہ وسیلہ ان کے پاک ہوں گے۔ حاصل کریں گے گناہوں سے نجات۔ وہ بڑا دریا، دنیا کا دامن پکڑ کر پار اترے گی اور اس سرزمین میں خدا کا پیارا خدا کے قدموں کو چھوڑ کر گرے گا۔ ان پہاڑوں پر گھاس نہ ہوگی، کچھ دیا کرو، نہیں تو لڑو، ورنہ ہماری بات یاد نہ رکھے گا) خدا کا نام ہی ان کے پاس جائے گا۔ ایک اترے گا گناہوں کا کاٹنے والا۔

نوٹ: یہ مضمون مزید تحقیق کو مقتضی ہے۔[3] اشرف علی

کاش میں مسلمان ہوتی: (ایک عیسائی مس مارگریٹ کا مرتے وقت بیان) جرمنی کے کروڑ پتی

[1] مکہ کو اکثر قدما نافِ عالم کہتے ہیں [2] سنائے مکی مکہ میں بہت کثرت سے ہوتی ہے [3] منقول از "مشرق" گورکھپور۔ مؤرخہ ۱۵ ؍ اگست ۲۹ء

تاجر شیلڈوک مارگریٹ کی وفات ایسی حالت میں ہوئی جب کہ وہ تین وقت کے فاقے سے بیماری میں اپنے تنگ وتاریک کمرے میں ایڑیاں رگڑ رہی تھی۔ اس نے پادری اور کئی دوسرے آدمیوں کے سامنے ایک سنسنی خیز بیان دیا۔ اور وہ یہ کہ ایک برس سے اسے اس کے والدین نے اس لیے گھر سے نکال دیا کہ وہ ان کی مرضی کے مطابق ایک آدمی سے شادی کرنے کو تیار نہ تھی۔ اور دوسرے کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔ اس کے گھر سے نکلنے کے بعد اس کے منگیتر نے بھی بے وفائی کی اور اسے غربت کے انتہائی درجہ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ وہ عیسائی قانون کی رُو سے کوئی حصّہ باپ کی جائیداد سے نہیں لے سکتی تھی جو اس سال میں مر گیا تھا، سب ملکیّت کا مالک بڑا بھائی ہو گیا ہے۔ کاش! میں مسلمان ہوتی تو آج اس طرح ایڑیاں رگڑ کر نہ مرتی، کیوں کہ مجھے باپ کی جائیداد میں ورثہ کا حق ہوتا۔ عیسائی مذہب میں لڑکی کے لیے کوئی حقیقی پوزیشن نہیں، جو کچھ پوزیشن بتائی جاتی ہے یہ محض دکھاوا ہے۔ اس کے بعد مس مارگریٹ نے نہایت غصّے میں پادری کو ڈانٹا اور کہا: تو خبیث یہاں سے چلا جا! میں تجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی، میں پھر کہتی ہوں کہ کاش! میں مسلمان ہوتی۔ اس کے بعد مس مارگریٹ نے دم توڑ دیا اور تھوڑے سے بحث و مباحثہ کے بعد اس کی تجہیز و تکفین عیسائیوں کی طرح ہی کر دی گئی۔ اس واقعے سے اس کے بھائیوں پر بہت زیادہ اثر پڑا۔[1]

مسلمانانِ ہند کے غیر اسلامی رسوم

سر ٹامس ڈبلو ارنالڈ سی۔ آئی۔ ایف۔ بی۔ اے۔ ڈی لٹ
پروفیسر عربی لندن یونیورسٹی کے قلم سے

ہم ذیل میں جو مضمون درج کر رہے ہیں وہ اگرچہ ایک انگریز فاضل کا لکھا ہوا ہے، مگر اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ اسے غور سے پڑھا جائے۔ اس میں ایک طرف تو اس الزام کو روکا گیا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا اور دوسری طرف مسلمانوں کے ماضی کا حال سے مقابلہ کر کے اُن کے لیے عبرت حاصل کرنے کا موقع پہنچا دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس

[1] منقول از ''الامان''۔ ۱۵ر دسمبر ۲۹ء

مضمون میں کہیں کہیں تاریخی و مذہبی غلطیاں موجود ہوں، مگر اس کی عام سپرٹ اور خصوصاً ہندوستان کے موجودہ حالات پر تبصرہ قابلِ غور ہے۔

آں حضرت ﷺ کا طریقِ تبلیغ: اسلام ابتدا ہی سے ایک تبلیغی مذہب تھا۔ جب حضرت محمد ﷺ نے مکّہ کے رہنے والوں کی وحشیانہ عادات چھڑا کر انھیں مسلمان بنایا ہے تو نہ ان کے پاس طاقت تھی نہ دولت۔ بلکہ صرف ایک آلۂ تبلیغ تھا جسے زبان کہتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ عقیدۂ توحید پر صرف ایک ہی طریقے سے زور دے سکتے ہیں اور وہ یہ تھا کہ بت پرستی کی خوف ناک سزاؤں سے متنبہ کریں۔ اور ان انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کو یاد دلائیں جو آں حضرت ﷺ سے پہلے ہر زمانے میں اللہ رب العزت کا پیغام لے کر مبعوث ہوئے تھے۔ البتہ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کو فدا کار انصار کی ایک ایسی جماعت مل گئی جو آپ پر سے اپنی جانیں قربان کرنے اور ایک آزاد حکومت کے قیام کی بنا ڈالنے کے لیے تیار تھی۔ اگر چہ اس وقت اس کی حیثیت بالکل بدل گئی تھی، مگر اس کے باوجود آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد تبلیغِ اسلام کا وہی طریقہ جاری رہا کہ افراد کو نیکی کی ترغیب دے کر قبولِ اسلام پر راضی کیا جائے۔

قرونِ اولیٰ میں تبلیغِ اسلام: آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد تبلیغِ اسلام کے متعلق یہ رہا کہ مسلمانوں نے مفتوحہ ممالک کے باشندوں کو ہمیشہ اسلام کی دعوت ان صریح وصاف ہدایات کے مطابق دی جو قرآنِ حکیم میں بیان کردی گئی ہیں، لیکن ہمیں اس کی شہادت نہیں ملتی کہ ابتدائی زمانے میں مسلمانوں نے تبلیغِ اسلام کے متعلق کچھ زیادہ جوش وخروش کا اظہار کیا ہو، لیکن اس کے باوجود رومی سلطنت اور ایرانی سلطنت کے مفتوحہ صوبوں میں جو عیسائی آباد تھے اور ایران میں جو زرتشتی رہتے تھے، انھوں نے بڑی کثیر تعداد میں اسلام قبول کرلیا، حالاں کہ مسلمانوں نے عیسائیوں، یہودیوں، زرتشتیوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا تھا اور ان کے لیے صرف ایک یہ شرط لگادی تھی کہ وہ اطاعت کریں اور جزیہ دیتے رہیں۔

اس ابتدائی زمانے میں تازہ نومسلموں نے خود بہ خود اسلام قبول کرکے اپنے مذہب کی

جو اشاعت کی تھی اس کی تاریخ تاریکی میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے بنی اُمیّہ نے اس طرف بہت کم توجہ کی۔ سوائے عمر بن عبدالعزیز (۷۱۷ء سے ۷۲۰ء تک) کے جو ایک پُرجوش مبلّغ تھے اور جنھوں نے اپنی وسیع سلطنت کے مختلف حصوں میں شمالی افریقہ سے لے کر ماوراء النہر اور سندھ تک اسلام کی اشاعت پوری سرگرمی کے ساتھ کی۔ خلفائے بنی عباس کے زمانے میں حکومت مذہب کی امداد و اعانت کے لیے تیار رہتی تھی۔ اور یہی وہ زمانہ تھا جب کہ اسلام ترکوں میں پھیلا، جن سے آیندہ صدیوں میں اس مذہب کو سب سے زیادہ تقویت پہنچی۔

مغلوں کی تبلیغی سرگرمیاں: جب منگولیا کے رہنے والے قبائل نے ایشیا میں اسلامی سلطنت کے ایک بہت بڑے حصّے کو تاخت و تاراج کیا ہے اور مسلمانوں پر اپنی حکومت قائم کی ہے تو اس کے بعد اسلام کو ایک نہایت سخت کام درپیش تھا، اس وقت اس کو دو اور تبلیغی مذاہب سے مقابلہ کرنا تھا یعنی بدھ مت اور عیسائیت بھی ان وحشی فاتحوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی، لیکن آخر کار تیرھویں صدی کے اواخر میں ان فاتحوں کو اسلام نے اپنے اندر جذب کرلیا جو ایران میں ایک مغل خاندان کی حکومت قائم کر چکے تھے، اس کے بعد مشرقِ بعید میں دوسرے مغل قبائل بھی اسلام کی آغوش میں آگئے۔ مغلوں نے ایک ایسی وسیع سلطنت قائم کر کے جو چین سے لے کر روس اور شام تک پھیلی ہوئی تھی، ایشیا کے دور دراز ممالک میں ربط وضبط پیدا کردیا تھا اور جن میں مسلمان مبلّغین کی سرگرمیوں کے لیے ایک میدان بہم پہنچا دیا تھا جہاں وہ جا بجا چینی مسلمانوں کی آبادیاں قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

عُلما وصوفیہ کی تبلیغی سرگرمیاں: مغلوں کے حملوں سے خوف زدہ ہو کر مسلمان عُلما وصوفیہ کی ایک اچھی خاصی تعداد ہندوستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئی۔ اگرچہ صوبہ سندھ اور ساحل ملیباؔ پر اسلام کے قدم آٹھویں صدی عیسوی میں جم چکے تھے، مگر ان حضرات کے نفوذ واثر نے اس ملک میں اسلام کو بہت زیادہ ترقی دی۔ مسلمانوں کی سیاسی طاقت بڑھنے سے بھی قدرتاً مسلمانوں کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا، مگر ایسی بے شمار شہادتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاعتِ اسلام میں مذہبی مبلّغین کی سرگرمیوں کا بہت زیادہ حصّہ تھا۔

مجمع الجزائر اور افریقہ میں اسلام: اگر آپ اور زیادہ دور جنوب کی سمت جائیں تو آپ کو تبلیغی سرگرمیوں کا ایک اور مرکز ملے گا جو مجمع الجزائر ملایا میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہاں قبولِ اسلام کی رفتار بہت آہستہ تھی، مگر وہ بھی تھوڑے عرصہ پہلے تک جاری رہی۔ اسلام کی تبلیغی سرگرمیوں کے لیے برِاعظم افریقہ کا میدان بھی بہت کامیاب ثابت ہوا ہے۔ ساتویں اور آٹھویں صدی میں عربوں کی فتوحات نے مصر اور شام افریقہ پر مسلمانوں کی حکومت قائم کردی تھی جس کے بعد بہت سی آبادی نے اسلام قبول کرلیا۔

جنوب کی طرف اسلام کی ترقی ابتدا میں تو آہستگی کے ساتھ جاری رہی، لیکن انیسویں صدی میں ترقی کی رفتار بہت تیز ہوگئی۔ خصوصاً یورپ کے عیسائی طاقتوں میں برِاعظم کی تقسیم کے بعد تبلیغ کے مواقع اور بھی زیادہ ہوگئے۔ سڑکیں بن جانے اور ریلیں جاری ہوجانے سے تجارت میں زندگی پیدا ہوئی اور چوں کہ مسلمان تاجر ہی اسلام کا سب سے بڑا مبلّغ ہوتا ہے، خصوصاً جب کہ وہ ایسے قبائل میں جاتا ہے جن کا تہذیب وتمدن ادنیٰ درجے کا ہو، اس لیے تجارت کے ذرائع کے ساتھ ساتھ تبلیغ میں بھی ترقی ہوئی ہے۔ اس پروپیگنڈا کے ایجنٹ ہمیشہ افراد ہی رہے ہیں۔ اور اسلام کی تبلیغی تاریخ کی یہ ایک خصوصیّت ہے کہ اس میں منظّم اور مسلسل سعی کا وجود نہیں پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مذہبی حلقوں نے ہندوستان اور افریقہ کے وحشی قبائل کو مسلمان بنا کر تبلیغ میں جو حصّہ لیا ہے، وہ بھی ضبطِ تحریر میں نہیں آیا، کیوں کہ ان کی حیثیت بھی انفرادی ہی تھی۔

نومسلموں کی مذہبی واقفیت: تاریخ کے مختلف زمانوں میں تو یہ اسلام کا ایک قابلِ غور پہلو رہا ہے کہ نومسلموں نے قبولِ اسلام کے وقت نہایت سطحی تعلیم حاصل کرلی ہے، اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ ساتویں صدی میں عربوں نے جو سرعت کے ساتھ فتوحات حاصل کیں ان سے اس صدی کے ختم ہونے تک ایک بہت بڑی سلطنت مسلمانوں کے قبضے میں آگئی، جو مغرب میں بحر اٹلانٹک سے لے کر مشرق میں دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی اور جس میں مفتوحہ اقوام کے بےشمار افراد اسلام کی آغوش میں آرہے تھے۔ بعد کی صدیوں میں بھی اسی طرح اسلام کی

وسیع اشاعت اور اجتماعی قبولِ اسلام کے واقعات بہ کثرت ملتے ہیں۔ اسلام کا کلمۂ شہادت جس کو پڑھنے کے بعد ہر غیر مسلم مسلم ہوسکتا ہے، بہت مختصر ہے اور تبدیلِ مذہب کے وقت مذہبی تعلیمات اور ان کے اصول وفروع نومسلم کے سامنے نہیں آتے اور مسلمان ہونے کے بعد اس پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان سے وہ ناواقف رہتا ہے اور ان کا اقبال بھی نہیں کرتا۔

عُلمائے اسلام نومسلمین کو راسخ العقیدہ بنانے اور ان سے اسلام کے تمام فرائض واعمال کی پابندی کراتے میں جو مشکلات محسوس کرتے ہیں اُن کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ دنیائے اسلام میں حروف شناسی اور باقاعدہ تعلیم کی بہت قلت ہے۔ مسلمانوں کی عام جہالت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے تقریباً سات کروڑ مسلمانوں میں سے صرف ۷ و۳ فیصدی مسلمان ایسے ہیں جو لکھ پڑھ سکتے ہیں اور جو کچھ ہندوستان جیسے ملک کی حالت ہے جو اپنی قدیم تہذیب اور تعلیمی نظام کے لیے مشہور ہے، وہی، بلکہ اس سے بھی زیادہ ابتر حالت برِّاعظم افریقہ اور مجمع الجزائر ملایا کے وسیع علاقوں کی ہے، جہاں مسلمانوں کی بہت بڑی آبادیاں ہیں۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً اس وسیع جہالت کو مٹانے اور مذہبی اعمال میں یکسانیت پیدا کرنے کی سعی کی جاچکی ہے، مگر اب تک معتد بہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور بہت سے مسلمان ابھی تک اپنے مذہب کے معمولی اور ابتدائی اصولوں سے بھی نابلد ہیں۔

مسلمانانِ ہند کے غیر اسلامی رسوم: خود ہندوستان میں تبدیلِ مذہب کا عمل اس قدر نامکمل رہا ہے کہ تین چار سو سال تک مسلمان رہنے کے باوجود کچھ عرصہ ہوا بعض راجپورت خاندانوں نے دوبارہ اپنے باپ دادا کا مذہب یعنی ہندو دھرم اختیار کرلیا ہے۔

ہندوستان کے دیہاتی مسلمان باوجود عقیدۂ توحید کے جس پر اسلام میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، مقامی ہندوؤں کے ساتھ اُن کے دیوتاؤں کی پرستش میں شریک ہوجاتے ہیں۔ دیہات میں ایسی بہت سی باتیں موجود ہیں جو اگر سیتلا دیوی (چیچک کی دیوی) کی نیاز نذر نہ کریں تو وہ یہ سمجھتی ہیں کہ انھوں نے اپنے بچوں کے لیے خود اپنے ہاتھوں کوئی بڑا خطرہ حاصل کرلیا ہے۔

بنگال میں بھی ایسے جاہل مسلمان ہیں جو سورج کی پرستش تک میں حصّہ لیتے ہیں اور ہندوؤں کے میلوں مثلاً درگا پوجا وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں۔ اور اس کا کچھ بھی احساس نہیں کرتے کہ وہ اس قسم کی حرکات سے اپنے مذہب یعنی اسلام کے صریح احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ خاص طور پر سوشل اجتماعات میں تو مسلموں کی قدیم ذہنیت عود کر آتی ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ ایسے بہت سے دیہاتی مسلمان خاندانوں میں جو ہندوؤں کی اولاد ہیں، یہ رسم جاری تھی کہ وہ اپنے لڑکے کا نکاح ہندو راج کے مطابق کرتے تھے اور ایک برہمن موجود ہوتا تھا۔ اسی طرح بعض مقامات پر ہندوؤں کے قوانینِ وراثت بھی جاری ہیں، اگرچہ وہ قرآنِ حکیم کے نہایت صاف اور روشن احکام کے بالکل منافی ہیں۔ مثلاً: بعض پنجابی مسلمان متوفی شوہر کے ترکہ میں سے اس کی بیوہ کو کوئی حصّہ نہیں دیتے۔ اگرچہ قرآنِ حکیم میں صاف طور پر یہ موجود ہے کہ اگر متوفی کے اولاد نہ ہو تو اس کے ترکہ میں سے اس کی بیوہ کو ۱/۴ (چوتھائی) حصّہ ملے گا اور اگر اولاد ہو تو ۱/۸ (آٹھواں) حصّے کی مستحق ہوگی۔

جنوبی ہند کی موپلا قوم جو اپنے مذہبی جوش وخروش کے لیے مشہور ہے، اپنی جہالت کے باعث اب تک ہندوؤں کے قانونِ وراثت ہی کے پابند رہے، جس کے مطابق ترکہ عورتوں کی طرف سے تقسیم ہوتا ہوا آتا ہے اور لڑکوں کو اپنے باپ کی جائیداد کے متعلق کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔

قدیم جہالت کی یادگاریں دنیائے اسلام کے بہت سے حصوں میں پائی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کا ایک طبقہ ان کو مٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔[1]

دنیا کا آیندہ مذہب اسلام ہوگا

مشہور مصنّف جارج برناڈ شا کی شہادت

جارج برناڈ شا سے اخبار بیں طبقہ بہ خوبی واقف ہے۔ جارج برناڈ شا موجودہ زمانے کے مصنفین کی فہرست میں سب سے اوّل جگہ پانے کا مستحق ہے۔ دنیا کا کوئی مسئلہ ہو جو جارج

[1] از "الامان" دہلی۔ ۱۹ر ستمبر ۲۹ء

برنارڈ شا کا قلم بند نہیں۔ چھوٹے چھوٹے قصوں میں وہ بڑے بڑے مسائل اس خوبی سے سمجھا دیتا ہے کہ کسی کو دم مارنے کی گنجایش نہیں رہتی، مگر جہاں برنارڈ شا کا قلم دنیاوی مسائل کو حل کر رہا ہے وہاں مذہبی دنیا کے لیے وہ ایک خطرناک ہتھیار بھی ہے۔ ہماری دانست میں کوئی مذہب ایسا نہیں جو برنارڈ شا کے حملوں سے محفوظ رہا ہو۔ برنارڈ شا جو لکھتا ہے وہ تمام دنیا میں پھیل جاتا ہے، چوں کہ استدلال بہ ظاہر قوی ہوتا ہے اور دنیا آسان پسند ہے، اس لیے اس کے زہریلے خیالات لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے میں بڑے کارگر ثابت ہو رہے ہیں۔

ایک ایسا منکرِ خدا بندہ جو اپنے کفریہ خیالات کی نشر و اشاعت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے، اگر کسی مذہب کی تعریف کرتا ہے تو سمجھ لیجیے کہ اسے بھاگنے کی کوئی راہ ہی نہ تھی اور وہ مجبور ہو گیا ہے۔

برنارڈ شا نے حال ہی میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں تمام مذاہب کے عُلما کو ایک مجلس میں جمع کیا ہے اور ایک مذہب والے نے دوسرے مذہب کا خوب مذاق اُڑایا ہے۔ بالآخر بہت سے بحث و مباحثہ کے بعد برنارڈ شا یہ نتیجہ مرتب کرنے پر مجبور ہو گیا کہ سو برس کے اندر اندر دنیا اور بالخصوص انگلستان کو کوئی ایسا مذہب اختیار کرنا پڑے گا جو یا تو اسلام یا اسلام سے بہت کچھ ملتا جلتا ہوگا۔

برنارڈ شا نے حسبِ ذیل وجوہ کی بنا پر یہ نتیجہ نکالا ہے:

۱۔ مذہبِ اسلام میں فلسفہ اور سائنس کی ہر ترقی کو جذب کرنے کی بڑی قوت ہے۔
۲۔ مذہبِ اسلام میں شخصیت کا پہلو قوی کیا گیا ہے۔
۳۔ مذہبِ اسلام میں کسی شخص کی ذاتی جائیداد نہیں ہے۔
۴۔ مذہبِ اسلام میں سرمایہ داری ناجائز ہے۔[1]

---

[1] منقول از ''مہاجر''۔ ۱۴ر ستمبر ۱۹۲۹ء